کتاب الصلوٰۃ

(تاریخ وفلسفہ)

قرآن اور سنت نبویؐ کے مطابق

لیفٹیننٹ کمانڈر (ر) محسن اختر
ایم اے (فلسفہ) ایل ایل بی

اسلامک ریسرچ اکیڈمی کراچی

جملہ حقوق بحقِ مصنف محفوظ!

کتاب: کتاب الصلوٰۃ (تاریخ وفلسفہ)
مصنف: لیفٹیننٹ کمانڈر (ر) محسن اختر
ناشر: اسلامک ریسرچ اکیڈمی۔کراچی
تقسیم کنندہ: اکیڈمی بک سینٹر (A.B.C.)
ڈی۔۳۵، بلاک۔۵، فیڈرل بی ایریا
کراچی۔۷۵۹۵۰
فون: ۳۶۳۴۹۸۴۰، ۳۶۸۰۹۲۰ (۰۲۱)
اشاعت: ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ - ستمبر ۲۰۱۳ء
قیمت: ۲۰۰ روپے

فہرست مضامین

ابتدائیہ ۹

باب اول

۱۔ لفظ صلوٰۃ کا مطلب ۱۱
۲۔ تاریخ صلوٰۃ زمانہ قبل از آدمؑ ۱۴
۳۔ جماداتی، نباتاتی، حیواناتی اور مابعد الطبیعاتی مخلوق کی صلوٰۃ ۱۶
۴۔ آسمانی مخلوق کی صلوٰۃ ۱۹
۵۔ غیر مرئی مخلوق کی صلوٰۃ ۲۲
۶۔ تاریخ صلوٰۃ جناب آدمؑ تا نوحؑ ۲۳
۷۔ صلوٰۃ کی حقیقت ۲۶
۸۔ ذکر اور سجدے کی حقیقت ۲۷

باب دوم

تاریخ صلوٰۃ ابراہیم خلیلؑ تا نبیٔ رحمتؐ ۳۳
(I) دورِ ابراہیمؑ کی صلوٰۃ ۳۳
(ii) قوم اسرائیلؑ کی صلوٰۃ ۳۷
ا اسرائیلی ذریعہ معلومات ۳۸
ا قرآنی ذریعہ معلومات ۳۸
(iii) صلوٰۃ قوم اسماعیلؑ ۴۰
(iv) صلوٰۃ قومِ مسیحؑ ۴۱
(v) قرآنی حوالے سے حقیقتِ صلوٰۃ مسیحؑ ۴۳

باب سوم

۱۔ تاریخ صلوٰۃ نبی آخر الزماںؐ ۴۵
(i) تعارف صلوٰۃ ۴۵
(ii) تاریخ صلوٰۃ ۴۶
(iii) اوقاتِ صلوٰۃ ۴۷
(iv) ممنوعہ اوقات برائے صلوٰۃ ۵۱
۲۔ تسبیح وذکر اللہ ۵۳
۳۔ شرائط ادائیگی صلوٰۃ ۵۵
(i) ایمان ۵۵
(ii) عقل وبلوغت ۵۶
(iii) طہارت وپاکیزگی ۵۶
(iv) صلوٰۃ ادا کرنے کا رُخ ۵۹
(v) ستر اور لباس ۵۹
۴۔ صلوٰۃ کی اہمیت اور فوائد ۶۱
۵۔ ادائیگی صلوٰۃ سے لاپروائی ۶۳

باب چہارم

۱۔ اقسام صلوٰۃ الواجبہ ۶۵
۲۔ صلوٰۃ کے فرائض ۶۶
(i) نیت یا ارادہ ۶۶
(ii) قیام صلوٰۃ ۶۶
(iii) حالت قیام ۶۷
(iv) قیامت میں تلاوت ۶۷
(v) رکوع ۶۸

(vi) سجود ۶۹
(vii) جلسہ ۶۹
ا بندے کا اپنے مالک سے عہدِ بندگی ۶۹
ا بندے کا اپنے آپ پر اور اللہ کے صالح بندوں پر سلام ۷۰
ا بندے کا نبی رحمتؐ پر صلوٰۃ وسلام ۷۱
ا تکمیل صلوٰۃ اور سلام ۷۳
۳۔ صلوٰۃ میں سنت مؤکدہ ۷۵
۴۔ صلوٰۃ میں سنت غیر مؤکدہ ۷۷
۵۔ صلوٰۃ میں ناپسندیدہ حرکات ۷۷
۶۔ صلوٰۃ کو باطل کرنے والے امور ۷۸
۷۔ سجدہ سہو ۷۸
۸۔ پنجگانہ صلوٰۃ میں سنت نوافل یا سنتِ مؤکدہ ۷۹
۹۔ صلوٰۃ الیل، صلوٰۃ الوتر، صلوٰۃ التہجد ۸۴

باب پنجم

۱۔ صلوٰۃ الجمعۃ المبارک ۹۱
(i) اوقات صلوٰۃ الجمعہ ۹۲
(ii) صلوٰۃ الجمعہ کی رکعتیں ۹۲
ا صلوٰۃ الجمعہ کے سنت نوافل ۹۲
ا صلوٰۃ الجمعہ سے قبل سنت نوافل ۹۳
ا صلوٰۃ الجمعہ کے بعد سنت نوافل ۹۳
(iii) بروز جمعہ کے اعمال مسنونہ ۹۵
(iv) ہفتہ وار اجتماعی عبادت ۹۶
(v) صلوٰۃ الجمعہ میں خواتین کی شمولیت ۹۸

۲۔ صلوٰۃ القصر ۹۹
۳۔ صلوٰۃ کا جمع کرنا ۱۰۱
۴۔ بیماری میں ادائیگی صلوٰۃ ۱۰۲
۵۔ صلوٰۃ الخوف ۱۰۲
۶۔ صلوٰۃ العیدین ۱۰۳
۷۔ صدقہ عید الفطر ۱۰۵
۸۔ قربانی عید الاضحیٰ ۱۰۷
۹۔ صلوٰۃ التراویح ۱۰۸

باب ششم

صلوٰۃ الجنازہ ۱۱۰
(i) بیماری اور مرض الموت ۱۱۰
(ii) میت کے دفن کی تیاری ۱۱۲
(iii) میت پر نوحہ کے بجائے صبر ۱۱۲
(iv) صلوٰۃ الجنازہ ۱۱۴
(v) میت کی تدفین میں جلدی ۱۱۷
(vi) میت کو دفن کرنے کے بعد دُعا ۱۱۷
(vii) میت کا قرض اور جائداد کی تقسیم ۱۱۹
(viii) میت کی طرف سے صدقہ وخیرات ۱۲۰
(ix) غائبانہ صلوٰۃ الجنازہ ۱۲۲
(x) زیارتِ قبور ۱۲۳

خطاطی ودُعائے مصنف ۱۲۴

بِسۡمِ اللّٰہِ وَالصَّلوٰۃُ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ

ابتدائیہ

جو میں سر بہ سجدہ ہوا کبھی تو زمین سے آنے لگی صدا
تیرا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں

(اقبالؒ)

اکثر و بیشتر اس بندہ ناچیز کے ساتھ ناگوار مکالمات کا تبادلہ اس وقت ہوا، جب کسی بے نمازی کو صلوٰۃ ادا کرنے کی تلقین کرنے کی کوشش کی۔ اگر چہ ان کی طرف سے یہ جواب ملا کہ ''ٹھیک ہے'' لیکن نماز سے زیادہ اور ضروری باتیں ہیں کرنے کے لیے۔ یہاں تو نمازی نماز پڑھنے کے بعد ''جھوٹ بولتے ہیں، کم تولتے ہیں، دوسروں کا دل دکھاتے ہیں'' وغیرہ وغیرہ۔ اور ''ہم نماز تو ادا نہیں کرتے، لیکن کسی کا دل نہیں دکھاتے''، ''ہمارا دل تو صاف ہے'' اور ہم چنداں ''بے ایمانی بھی نہیں کرتے اور ''نماز تو ہمارا اور ہمارے خدا کا معاملہ ہے''، ''وہ معاف کردے گا!'' وغیرہ وغیرہ۔

ان کے اس طعنے کا جواب تو مضمون کے شروع کرنے سے پہلے ہی دے دیا گیا ہے اور رہا اللہ اور بندے کا معاملہ تو اس کا جواب بھی کتاب کے شروع میں درج ہے، کہ صلوٰۃ کے معاملہ کو معمولی نہ سمجھا جائے، کیونکہ روزِ محشر سب سے پہلے اسی کے متعلق حق تعالیٰ سوال کریں گے۔ دوسری بات یہ کہ صلوٰۃ ادا کرنے والوں کے (یعنی زیادہ تر کے) اعمال کیوں اچھے نہیں ہوتے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ صلوٰۃ بغیر مقصد و بغیر مطلب کے ادا کرنا، بلکہ حصولِ عبادت کو محض ثواب سمجھ کر ادا کرنا اور اس کی اصل روح کو نظر انداز کر دینے سے نمازی پر نماز کے اثرات مرتب نہیں ہوتے۔ بلکہ ایسی صلوٰۃ تو کتے اور بلی کی صلوٰۃ اور دھنیا اور پیاز کی صلوٰۃ کے مقابلے میں بھی کم تر

ہوتی ہے۔ اگر کوئی شخص اللہ کی حمد وثناء کرے اور زبان سے یہ الفاظ ادا کرے کہ ''تمام تر تعریفیں اللہ کے لیے ہیں'' اور یہ کہ ''وہ اللہ ہی سے مدد کے طالب ہوتے ہیں'' لیکن عملی طور پر وہ اہلِ طاقت واہلِ ثروت کی قصیدہ گوئی کریں اور غیر اللہ سے مدد مانگیں اور ان سے اپنی حاجت روائی کریں، تو پھر انہوں نے کس کی حمد وثناء کی۔ انہوں نے اپنی صلوٰۃ میں جو الفاظ ادا کیے، اس کی تو انہوں نے عملی طور پر نفی کر دی، گویا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نفی کر دی۔ تو پھر کیسی صلوٰۃ ہوئی؟ اور کیسی عبادت؟ کیا اللہ تعالیٰ اس عمل پر انہیں انعام دیں گے؟ اسی وجہ سے ان کی نمازوں کا ان کے اعمال پر اثر نہیں ہوتا، کیونکہ وہ نماز کو سمجھ کر ادا نہیں کرتے۔

بس یہی ایک بنیادی نکتہ ہے، جو اس حقیر کو عرصۂ دراز سے بے چینی اور بے کیفی میں مبتلا کیے ہوئے ہے۔ اسی وجہ سے اس بندۂ حقیر نے یہ فیصلہ کیا کہ صلوٰۃ کے بارے میں ایک مختصر کتابچہ تحریر کیا جائے، جس میں صلوٰۃ کی اہمیت، اس کے بنیادی ارکان، اس کی تاریخ اور اس کے مقاصد اور اس کے ادا کرنے کا صحیح طریقہ، احکاماتِ ربانی اور سنتِ نبویہ کے مطابق اجاگر کیا جائے اور اس کا فلسفہ بیان کیا جائے، تاکہ خلق اللہ کو صلوٰۃ کی اصل حقیقت اور اہمیت کا اندازہ ہو جائے۔ اور غیر نمازی اس حقیقت کو جان کر اس کے پابند ہو جائیں اور نمازی حضرات اپنی نمازوں میں اصلاح کر کے اپنے معبود کے سچے بندے بن جائیں، اور ایک اچھے اور صحیح نمازی کی مثال قائم کر کے اپنے گھر کے افراد اور اپنے گرد معاشرے کے افراد کو صلوٰۃ کی طرف رجوع کر سکیں۔ ان شاء اللہ ان کا یہ عمل ان کی بخشش کا ذریعہ بھی بنے گا اور ان لوگوں کی بخشش کا بھی جو ان سے متاثر ہو کر پابند صلوٰۃ ہو جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ جو نہایت رحمان، رحیم اور کریم ہے، ہم سب کو اس مقصد میں کامیابی عطا فرمائے اور ہماری اس کاوش کو منظور و مقبول فرمائے۔ آمین

احقر العباد محسن اختر
لبک ٹیکساس، یو ایس اے
مارچ ۲۰۱۳ء

باب اوّل

۱۔ لفظ صلوٰۃ کا مطلب

نماز فارسی کا لفظ ہے اور اردو میں بھی مستعمل ہے۔ لیکن اس کے لیے قرآن میں لفظ صلوٰۃ استعمال ہوا ہے۔ لفظ نماز کا تو ایک ہی مطلب ہے، جبکہ لفظ صلوٰۃ قرآن میں تین معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، جو درج ذیل ہے:۔

(i) بمعنی خصوصی اظہار بندگی، اس کے دو حصے ہیں۔

(۱) نماز (۲) ذکر

ذکر نماز کے علاوہ بھی کیا جاتا ہے، جبکہ نماز میں بھی کیا جاتا ہے۔ یعنی نماز میں ہم اپنی خصوصی جسمانی حرکات واشارات کے ذریعہ یعنی قیام، رکوع اور سجود کی حالت میں اور جلسہ میں اپنے جسم کو لاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں، اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اس سے قول وقرار کرتے ہیں، اس سے معافی طلب کرتے ہیں اور اپنی حاجات کے لیے عرض گزارش کرتے ہیں۔ لیکن اس میں زیادہ وقت اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء میں گزارتے ہیں۔

انہی الفاظ کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کے بندے اپنے مالک کو احد اور واحد جان کر اور مان کر اور مالک ارض وسماء اور جو کچھ بھی ان میں ہے، مان کر اس کی حمد وثناء کرتے ہیں اور اس کے سامنے اپنی ذات کو، اپنی ہستی کو اور اپنی اَنا کو کمترین اور حقیر ترین حالت میں لا کر اپنے مالک سے اس طرح سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ان سے راضی ہو کر خوش ہو جائے۔ اسی بات کو ہم نے سمجھنا ہے، جبکہ اکثریت ہم میں سے اس کو نہیں سمجھتی اور نہ کرتی ہے۔ لہٰذا یہ سمجھ لینا چاہیے کہ صلوٰۃ کا مقصد ومنشاء یہی ہے اور صلوٰۃ اسی طرح سے ادا کرنی چاہیے۔ کیونکہ اولادِ آدم کے لیے یہی صلوٰۃ مقرر کی گئی ہے۔

صلوٰۃ کے ضمن میں ایک اور اہم بات قابل ذکر ہے کہ صلوٰۃ کے ذریعے ہم اس بات کی گواہی بھی دیتے ہیں، اپنی زبان سے، اپنے دل سے، اور اپنی جسمانی کمترین اور حقیر ترین

حالت کے ذریعہ سے کہ ''اللہ کے سوا کسی اور کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ اس کی پرستش کی جائے'' اور صلوٰۃ اس لیے انسان پر واجب کی گئی ہے کہ یہ پتا چلے کہ کون اللہ کا تابعدار بندہ ہے اور یہ کہ کون اپنے ایمان کی تجدید تسلسل کے ساتھ کر رہا ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کی آیت ۱۳۶ میں دیا ہے، وہ یہ کہ:

''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو (اللہ نے) اپنے رسول پر نازل کی اور ان کتابوں پر جو نازل کی گئی تھیں پہلے۔ اور (پھر) جو کوئی انکار کرے اللہ کا، اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا تو پھر وہ بہک کر ضلالت میں گھر گیا''۔

یہاں اس آیتِ شریفہ کے متعلق ذکر کر دینا ضروری ہے کہ یہ آیت جناب محمدؐ کی امت کے لوگوں کے واسطے ہے۔ جیسا کہ کچھ علماء کا خیال ہے کہ یہ خطاب اہلِ کتاب کے لیے ہے۔ یہ درست نہیں، بلکہ اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ کو بھی اسی قسم کا حکم دیا گیا ہے، قرآن حکیم کی سورۃ الحدید (۵۷) کی آیت (۲۸) میں کہ وہ جناب محمدؐ پر ایمان لے آئیں جیسا کہ وہ اس سے قبل جناب موسیٰؑ اور جناب عیسیٰؑ پر لے کر آئے تھے۔

اس کے علاوہ سورہ المومنون (۲۳) کی آیت (۲) میں صلوٰۃ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:

''وہ جو اپنی صلوٰۃ میں خشیت اختیار کرتے ہیں، یعنی عاجزی، انکساری، خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں''۔ یعنی کہ صلوٰۃ میں یہی کیفیات اختیار کرتے ہیں وہ لوگ جو اللہ کے تابعدار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسی سورۃ کی آیت (۹) میں فرمایا گیا ہے کہ ''جو اپنی صلوٰۃ کی حفاظت کرتے ہیں''۔ یعنی اپنی صلوٰۃ کو پورے تسلسل کے ساتھ بغیر کسی ناغے کے ادا کرتے ہیں، وہ ہیں اللہ کے تابعدار بندے۔

(ii) قرآن حکیم میں لفظ صلوٰۃ بمعنی دعا کے بھی استعمال ہوا ہے۔ جو اپنے رب سے ہم اپنے لیے، اپنے گھر والوں کے لیے، اپنے ماں باپ کے لیے اور ان ایمان والوں کے لیے کرتے ہیں جو زندہ ہوتے ہیں اور وہ جو فوت ہو چکے ہوتے ہیں۔ یہ دعا نماز میں بھی کی جاتی ہے اور اس کے علاوہ بھی۔

(iii) لفظ صلوٰۃ بمعنی رحمت خداوندی بھی قرآن میں آیا ہے۔ جو قرآن الحکیم کی سورۃ احزاب (۳۳) کی آیت (۴۳) میں اور (۵۶) میں وارد ہوا ہے۔

آیت (۴۳) میں فرمایا گیا کہ: ''وہ اللہ ہی ہے جو بھیجتا ہے صلوٰۃ تمہارے اوپر (یعنی مسلمانوں پر) اور اس کے فرشتے بھی (یعنی وہ رحمت کے لیے دعا کرتے ہیں) اس لیے کہ وہ (اللہ) تمہیں (جہالت کے) اندھیروں سے نکال کر (ایمان کی) روشنی میں لے آئے اور بے شک وہ (اللہ) ایمان والوں پر نہایت مہربان ہے''۔

اب اس آیت کریمہ میں صلوٰۃ کا مطلب ہوا (۱) رحمت (۲) دعائے رحمت

چونکہ رحمت کا منبع صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارک ہی ہے۔ چنانچہ انسان اور فرشتے کسی پر بھی رحمت نہیں بھیج سکتے وہ تو صرف اللہ تعالیٰ سے اس کی دعا ہی کر سکتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو جتلایا ہے کہ دولتِ ایمانی ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ اور ان پر اللہ کی رحمت کے لیے فرشتے بھی اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہیں اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم رسید نہیں کرنا چاہتا۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کی اور اس کے رسولؐ کی تابعداری اختیار کر کے جہنم سے بچ جائیں۔

اب رحمت کے معنی میں دوسری آیت کریمہ (۵۶) بھی بہت اہمیت کی حامل ہے، اس لیے قارئین سے توجہ کی درخواست ہے۔ اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اللہ بھیجتا ہے صلوٰۃ (اپنی رحمتیں، برکتیں، فضل اور کرم) اپنے نبی (محمدؐ) پر اور اس کے فرشتے بھی (اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنی رحمتیں جاری رکھے جناب محمدؐ پر) تو اے مومنو! تم بھی صلوٰۃ بھیجو اور سلام بھی ان پر (نبیؐ پر)''۔

معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کے تین حصے ہوئے۔ (۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اس کی رحمتیں اور برکتیں اس کے نبی محمدؐ پر جاری وساری رہتی ہیں۔ (۲) اور اس کے فرشتے بھی اللہ تعالیٰ سے اسی بات کی درخواست کرتے ہیں۔ لہٰذا عالیجناب محمدؐ کی قوم پر یہ فرض کر دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ جناب نبی کریمؐ پر اپنی رحمتیں اور برکتیں جاری وساری رکھے۔ اور اس دعا کے ساتھ یہ قوم نبی کریمؐ کو سلام بھی بھیجتی رہے۔

چنانچہ یہاں پر صلوٰۃ کا مطلب ہوا صلوٰۃ علی النبیؐ، یعنی انسانوں کا اپنے نبیؐ کے لیے رحمتوں اور برکتوں کے نزول کے لیے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعائیں کرنا۔ اس فعل کو فارسی اور اردو زبان میں ''درود شریف'' کہتے ہیں صلوٰۃ کے بارے میں یہ بات عرض کر دینا ضروری ہے کہ صلوٰۃ کوئی پڑھنے کی چیز نہیں، بلکہ جاری وساری رکھنے کا کام ہے۔ یعنی صلوٰۃ کا تسلسل ہونا ضروری ہے۔ قرآن میں کسی ایک جگہ بھی صلوٰۃ کو پڑھنے کے لیے نہیں کہا گیا۔ بلکہ صلوٰۃ کو قائم رکھنے کے لیے کہا گیا ہے۔ یعنی کڑی سے کڑی ملا کر زنجیر بنانا۔ یعنی ہر انسان اپنی بلوغت سے لے کر اپنی موت تک صلوٰۃ کی ایک مکمل زنجیر بنائے اور یاد رکھے کہ اگر اس زنجیر میں سے ایک بھی کڑی رہ جائے گی تو زنجیر مکمل نہ ہوگی۔ لہٰذا تسلسل اور تکمیلِ صلوٰۃ کی زنجیر بنانے میں نہایت احتیاط سے کام لیا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ زنجیر کی کوئی کڑی غائب ہو اور آپ دھڑام سے گر جائیں، کیونکہ یہی زنجیر آپ کو اللہ تعالیٰ کی قربت عطا کرنے میں مدد کرے گی۔

۲۔ تاریخ صلوٰۃ زمانہ قبل از آدمؑ

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ نماز یا صلوٰۃ مشتمل ہوتی ہے ذکر، قیام، رکوع اور سجود پر۔ تو گویا اگر صرف ذکر ہو یا صرف سجود تو وہ بھی صلوٰۃ ہی کا حصہ ہوتے ہیں، یعنی کہ وہ دونوں بھی صلوٰۃ ہی سمجھے جائیں گے، اگر وہ تسلسل کے ساتھ ہوں، تو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کی کون کون سی مخلوق ادا کرتی ہے، تاکہ ان کی صلوٰۃ کے متعلق جانا جا سکے۔ یہ جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ حضرت انسان کو صلوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ ہو سکے اور وہ اس معاملہ میں غفلت نہ برتے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ تخلیق کائنات کے فوراً بعد خالق کائنات نے اپنی مخلوق کو صلوٰۃ ادا کرنے اور اسے قائم رکھنے کا پابند کر دیا تھا۔ اب یہ تو طے نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پہلے تخلیق فرمایا یا کائنات کو، اور کائنات کی دیگر مخلوقات یعنی پانی اور زمین کی مخلوقات وغیرہ۔ یہ معاملہ چونکہ موضوع سے تعلق نہیں رکھتا اس لیے اس کی بحث کی چنداں ضرورت نہیں۔

لیکن اس بات کا علم تو ہمیں دے دیا گیا ہے کہ درج ذیل تخلیق، آدمؑ سے قبل موجود تھیں

اور وہ ادائیگی صلوٰۃ کا فرض ادا کرتی تھیں۔

یعنی درج ذیل مخلوقات اللہ تعالیٰ کا ذکر اور سجدہ کرتی ہیں۔

(i) مابعدالطبیعاتی مخلوقات (Metaphysical Creation) یعنی سورج، زمین، چاند، ستارے وغیرہ۔

(ii) جماداتی و مادّی مخلوقات (Material Creation) یعنی ہوا، پانی، ریت، مٹی، پتھر، پہاڑ وغیرہ۔

(iii) نباتاتی مخلوقات (Botanical Creation) یعنی جھاڑیاں، پودے، بوٹیاں، درخت وغیرہ۔

(iv) حیواناتی مخلوقات (Zoological Creation) یعنی پانی کی مخلوقات اور زمین کے جانور، چرند، پرند، رینگنے والی مخلوق، کیڑے مکوڑے وغیرہ۔

(v) آسمانی مخلوق (Heavenly Creation) یعنی فرشتے۔

(vi) غیر مرئی مخلوق (Invisible Creation) یعنی جنات۔

اب ہم قرآن کی رُو سے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ درج بالا مخلوقات کی صلوٰۃ یعنی حمد وثناء اور سجود کے بارے میں کیا کہا گیا ہے۔ یہ سب کچھ جاننا اس لیے ضروری سمجھا گیا ہے کہ ان انسانوں کو جو صلوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہ بھی جو نہیں ادا کرتے انہیں پتہ چل جائے کہ کیا وہ ان تمام مذکورہ مخلوقات سے بہتر ہیں یا ان جیسے یا ان سے بھی بدتر، اپنے مالک کی بندگی کے سلسلے میں۔ اور پھر انہیں فیصلہ کرنا پڑے گا کہ کیا وہ اشرف المخلوقات کے عہدے کے لائق ہیں یا نہیں! انہیں اپنے متعلق خود فیصلہ کرنا ہوگا کہ کیونکر وہ مخلوق میں اعلیٰ ترین درجے پر فائز کیے جانے کے باوجود ایک پتھر کے ٹکڑے، ایک ریت کے ذرّے، دھنیا پیاز، کیکر اور نیم کے درخت اور کتے بلی کے مقابلے میں اپنے مالک کی بندگی کے سلسلے میں کم تر ہیں۔ کیونکہ یہ تمام مخلوقات اور ان جیسی دیگر تمام مخلوقات بغیر کسی حجت اور بغیر کسی تاخیر کا مظاہرہ کیے، وقتِ مقررہ پر اپنے اور ہمارے سب کے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتی ہیں۔ جبکہ انسانوں میں سے بیشتر انسان اپنے رب کی بندگی سے ناآشنا و بے بہرہ ہیں اور کئی ایک تو غفلت کا شکار ہیں۔ اور کچھ کبھی کبھار مالک کے سامنے آجاتے ہیں۔ لیکن یہ اپنی غفلت، کاہلی اور سستی پر نادم اور شرمسار نہیں ہوتے۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ: ''زندگی بے بندگی شرمندگی!'' ہوتی ہے۔

جن مخلوقات کا ذکر بندگی کے اعتبار سے کیا گیا ہے، اس کی سند کسی انسان نے نہیں دی اور

نا ہی اس کا دعویٰ ان میں سے کسی نے کیا ہے۔ بلکہ ان کی بندگی، ان کے ذکر، ان کے سجود، یعنی ان کی صلوٰۃ ادا کرنے کی گواہی خود مالک کائنات نے دی۔ اور اس طرح کی گواہی قرآن الحکیم کی متعدد آیات مبارکہ میں موجود ہے۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر یہاں کیا جانا مناسب سمجھا گیا ہے تاکہ سند کے طور پر قارئین کے سامنے پیش کی جائیں۔

۳۔ جماداتی، نباتاتی، حیواناتی اور مابعدالطبیعاتی مخلوق کی صلوٰۃ

قرآن حکیم میں مختلف جگہوں پر درج بالا مخلوقات کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے، تاکہ ان تمام مخلوقات سے فضیلت پانے والی مخلوق اس بات کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرلے کہ صلوٰۃ کا کیا مقام ہے اور اسے اس کا حق کس طرح سے ادا کرنا چاہیے کہ وہ فضیلت انسانی کے مقام پر برقرار رہ سکے۔

سورۃ رعد (۱۳) آیت (۱۵) میں فرمان ربی ہے کہ:

''اور (صرف) اللہ کے سامنے ہی گرتے ہیں سجدے میں، جو کوئی بھی ہے آسمانوں اور زمین میں، ارادی طور پر یا غیر ارادی طور پر اور ان کے سائے بھی صبح اور دوپہر کے وقت''۔ (یہ آیت سجدہ ہے)

اس آیت کریمہ میں صاف طور پر آگہی بخش دی گئی ہے کہ آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی مخلوق ہے، وہ رب العالمین کے حضور سجدہ ریز ہوتی ہے اپنے ارادے کے ساتھ۔ جہاں تک غیر ارادی سجدے کا تعلق ہے وہ کفار کے، مشرکین اور منافقین کے لیے کہا گیا ہے۔ وہ جب کبھی بھی انتہائی مشکل میں آتے ہیں تو پھر اپنے معبودوں کو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں، ان کو بھول جاتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرتے ہیں۔ بعض اوقات ان کا دل بھر آتا ہے کہ وہ بھی رب العالمین کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں۔ ایک مرتبہ مصنف چند احباب کے ساتھ صلوٰۃ کے لیے کھڑا ہوا تو ایک مشرک جو وہاں موجود تھا، وہ بھی خود بخود ان کے پیچھے کھڑا ہوگیا اور رکوع اور سجود کرنے لگا۔ اسی طرح کا ایک واقعہ عالیجناب رسول کریمؐ کے دور میں کعبہ کے سامنے پیش آیا۔ جبکہ کفار مکہ جناب نبی کریمؐ کے منکر اور انتہائی دشمن تھے، اس وقت جناب رسول کریمؐ کعبہ کے سامنے تشریف فرما تھے اور سورۃ نجم (۵۳) کی تلاوت فرما رہے تھے۔ جب آپ اس سورۃ مبارکہ کی آخری آیت (۶۲) پر پہنچے جس میں کہا گیا تھا کہ:

''پس گر جاؤ سجدے میں اور صرف اسی (اللہ) کی عبادت کرو''۔

پس اس آیت مبارکہ کو سنتے ہی جو بھی کفار مکہ وہاں موجود تھے وہ جناب نبی کریمؐ کے ساتھ ہی سجدہ ریز ہو گئے (کیونکہ یہ آیت سجدہ ہے) ان کی یہ سجدہ ریزی بالکل غیر ارادی تھی، جس کا احساس انہیں بعد میں ہوا۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ رب ذوالجلال والاکرام نے اپنی مخلوق کی فطرت میں یہ رکھ دیا ہے کہ وہ اس کے سامنے سجدہ ریز ہوں، صرف انسان اور جنات ہی ایسی مخلوق ہیں جنہیں اختیار دیا گیا ہے، تاکہ ان کی آزمائش کی جائے کہ کون کون سے انسان اور جن اپنی مرضی اور اختیار کے ساتھ اپنے مالک کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ ان کے منصب کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی حیثیت کو پہچانیں اور اس کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں، ورنہ وہ نافرمان بن جائیں گے، اور اپنی فضیلت سے محروم کر دیے جائیں گے اور ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق سے بھی کمتر اور ذلیل ٹھہرائے جائیں گے اور مجرم کی حیثیت میں اپنے مالک کے سامنے پیش ہوں گے۔

سورۃ نحل (۱۶) کی آیت (۵۰۔۴۹) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اور سجدہ کرتے ہیں، اللہ کو وہ تمام، جو ہیں آسمانوں میں اور وہ تمام جو ہیں زمین میں۔ چلتی پھرتی مخلوق اور ملائکہ اور وہ کسی قسم کا تکبر نہیں کرتے۔ وہ ڈرتے ہیں اللہ سے جو ان کے اوپر ہے اور وہی کچھ کرتے ہیں جس کا انہیں حکم ملتا ہے (اللہ کی طرف سے)''۔ (آیت سجدہ)

گویا کہ ہر شے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتی ہے۔ اس بات کو مزید جاننے کے لیے ہمیں سمجھنا پڑے گا کہ سجدے کی حقیقت کیا ہے۔ اس مضمون کو ان شاء اللہ اسی باب کے آخر میں ذکر کیا جائے گا۔

سورۃ اسراء (۱۷) کی آیت (۴۴) میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''ساتوں آسمان اور زمین اور اس کے اندر جو کوئی یا جو کچھ بھی ہے (وہ) تسبیح بیان کرتے ہیں اس (اللہ) کی، اور وہاں کوئی شے ایسی نہیں ہے جو اس (اللہ) کی تسبیح اور حمد بیان نہ کرتی ہو، لیکن تمہیں ان کی تسبیحات اور حمد کا شعور نہیں، کیونکہ تم اس کو سمجھ نہیں سکتے۔ بے شک! وہ (اللہ) ہمیشہ کے لیے قابل ستائش، مہربان اور معاف کرنے والا ہے''۔

سورۃ رحمان (۵۵) کی آیت (۶) میں بیان ہوا ہے کہ:

''اور جھاڑیاں و پودے اور درخت سجدہ ریز ہوتے ہیں، اللہ کے حضور''۔

اس آیت کریمہ میں لفظ ''نجم'' کا مطلب ستارے بھی ہے اور پودے بھی۔ لیکن یہاں مطلب پودے ہی ہے، کیونکہ اس کے ساتھ جھاڑیوں اور درخت کا ذکر آیا ہے۔

سورۃ الحدید (۵۷) کی پہلی آیت شریفہ میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''جو کوئی بھی ہے آسمانوں اور زمین میں، وہ تسبیح یعنی حمد بیان کرتا ہے اللہ کی اور وہ (اللہ) تمام تر طاقتور اور تمام تر منبع عقل و دانش ہے''۔

سورۃ تغابن (۶۴) کی پہلی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ:

''جو کوئی بھی ہے آسمانوں اور زمین پر، تسبیح بیان کرتا ہے اللہ کی، یہ تمام مِلک اسی کی تو ہے اور اسی کے لیے سزاوار ہیں تمام تعریفیں اور شکر اور وہی قادر ہے ہر شئے پر''۔

سورۃ نور (۲۴) کی آیت (۴۱) میں فرمان ربی ہے کہ:

''کیا تم نہیں دیکھتے (اے محمد) کہ بے شک اللہ ہی ہے جس کے لیے تسبیح کرتے ہیں جو کوئی بھی ہیں آسمانوں اور زمین میں اور پرندے بھی اپنے پَر پھیلائے ہوئے؟ ان میں سے ہر ایک کو وہ (اللہ) جانتا ہے، اس کی صلوٰۃ ادا کرتے ہوئے اور تسبیح کرتے ہوئے۔ بے شک اللہ جانتا ہے کہ وہ کیا کرتے ہیں''۔ (یعنی کہ وہ کس طرح سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں)

قرآن الحکیم کی سورۃ الانبیاء (۲۱) کی آیت (۷۹) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اور ہم (اللہ) نے پابند کر دیا پہاڑوں کو اور پرندوں کو کہ وہ تسبیح کریں اور حمد و ثناء داؤدؑ کے ساتھ مل کر۔ اور ہم (اللہ) ہی یہ (سب کچھ) کرنے والے تھے''۔

ملاحظہ فرمائیں کہ صلوٰۃ پہاڑوں کی یعنی پتھروں کی اور پرندوں کی۔ اور صلوٰۃ بھی کیسی اعلیٰ و افضل کہ ایک پیغمبر کے ساتھ، یعنی اس کی امامت میں کی جا رہی ہو (سبحان اللہ)۔

سورۃ الحج (۲۲) کی آیت (۱۸) میں ذکر و سجود کا مفصل بیان کیا گیا ہے:

''کیا تم دیکھتے نہیں کہ جو کوئی بھی ہے آسمانوں میں اور جو کوئی بھی ہے زمین پر اور سورج، اور چاند، اور ستارے (سیّارے بھی ستاروں کے ضمن میں آئیں گے) اور پہاڑ، اور درخت، اور دوّاب (ہر قسم کے جانور جن میں جگر ہوتا ہے) اور بہت سے انسان اپنے آپ کو سجدہ کی

حالت میں لے آتے ہیں، اللہ کے حضور۔لیکن بہت سے ایسے ہیں (انسان) جن پر سزا واجب ہو جاتی ہے، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ جس کسی کو بھی ذلت میں مبتلا کرتا ہے اسے کوئی اور عزت نہیں دے سکتا، بے شک! اللہ کرتا ہے جو کچھ بھی وہ چاہتا ہے''۔(یہ آیت سجدہ ہے)

اگر صلوٰۃ کی پوری مشق کو غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام تر ارکان یعنی قیام، رکوع اور جلسہ وغیرہ دراصل اہتمام سجدہ ہیں۔لہٰذا اس ضمن میں عبادت کے مضمون کے تحت درج بالا آیتِ کریمہ سب سے زیادہ مدلل اور مفصل آیت ہے۔اور یہ آیت کریمہ انسانوں کے سامنے ایک مکمل حجت کا درجہ رکھتی ہے۔کیونکہ اس آیت میں یہ بتا دیا گیا ہے اور جتلا بھی دیا گیا ہے کہ ایسے بھی کچھ بد بخت انسان ہیں، جنہیں اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہونے کی توفیق نہیں ہوتی۔جس کی وجہ سے وہ ذلت کے حق دار ہو جاتے ہیں۔اگر چہ کچھ کو دنیا میں مہلت بھی مل جاتی ہے، لیکن آخرت میں وہ ہمیشہ کی ذلت میں داخل کر دیے جائیں گے۔اس وجہ سے کہ وہ لوگ اپنے مالک کی تابعداری کے حوالے سے ایک چوہے، بلی، کتے، چھپکلی، مینڈک، حتیٰ کہ سؤر جیسے جانور سے بھی پست اور ذلیل ہو جاتے ہیں۔کیونکہ یہ تمام جاندار تو سجدہ ریز ہوتے ہیں، اپنے مالک کے سامنے۔جبکہ سب سے زیادہ فضیلت پانے والا انسان اپنے مالک کی حکم عدولی کرتا ہے۔حالانکہ اگر وہ یہ فرض ادا کر بھی لیں تو بھی ان کی عبادت ان جانوروں اور مٹی کے ریزوں کے برابر ہی آتی ہے۔اس لیے کہ انہیں دیگر تمام مخلوقات کی نسبت اپنے مالک کی عبادت میں بھی اعلیٰ ترین ہونا چاہیے۔بہر حال اس سے زیادہ تنبیہ اور کیا ہو گی ایک انسان کو غفلت سے بیدار کرنے کے لیے۔

اللہ تعالیٰ سے گزارش مؤدبانہ ہے کہ وہ اولادِ آدم کو اس ذلیل ترین پستی سے بچائے اور ان کو انتہائی ادب، عاجزی اور خلوص کے ساتھ اہتمام سجدہ کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

۴۔آسمانی مخلوق کی صلوٰۃ

فرشتے تخلیقِ آدم اور تخلیقِ جنات کے پہلے سے موجود ہیں۔لیکن یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے فرشتوں کی تخلیق فرمائی یا کائنات کی۔بہر حال ملائکہ کے متعلق قرآن حکیم میں بہت سی

معلومات موجود ہیں۔ان کے متعلق یہ بات بھی واضح ہے کہ وہ روحانی مخلوق ہے اور ان کے پاس نفس یا ان کی مرضی یا خواہش نہیں ہوتی۔یہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی نہایت سرعت انگیز، تابعدار اور اللہ تعالیٰ کی حمد، تقدیس، تسبیح کرنے والی مخلوق ہے۔یہ مخلوق ساتویں آسمان پر بنے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اعزازی گھر بیت المعمور کا طواف بھی کرتی ہے، جو وہاں کا قبلہ ہے۔بالکل ایسے ہی جس طرح انسان کعبہ کا طواف کرتے ہیں۔

اب فرشتوں کی عبادت کے متعلق چند آیات قرآن الحکیم بیان کی جاتی ہیں تا کہ ان کی عبادت کے بارے میں چنداں علم ہو جائے۔

(i) سورۃ بقرۃ کی آیت (۳۰) میں فرشتوں کی عبادت کے متعلق معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدمؑ کے فیصلے سے فرشتوں کو مطلع فرمایا کہ وہ زمین پر اپنا نائب بھیجنے کے لیے اسے تخلیق کر رہا ہے، تو اس پر فرشتوں کو گمان ہوا کہ وہ تو زمین پر فساد برپا کریں گے اور خون بہائیں گے۔اس جواب کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس وقت زمین پر شیاطین یعنی جنات زمین پر فساد برپا کیے ہوئے تھے اور دیگر مخلوق بھی ایک دوسرے کو قتل کر کے اپنی خوراک بناتی تھی، جو کہ ابھی تک جاری ہے۔لہٰذا فرشتوں کو گمان ہوا کہ اب ایک اور مخلوق آئے گی اور وہ بھی اسی طرح فساد کرے گی اور خون بہائے گی۔اس لیے انہوں نے عرض کیا کہ ''اے اللہ! کیا ہم کافی نہیں تیری تسبیح وتقدیس، حمد وثناء بیان کے لیے اور تیرا شکر ادا کرنے کے لیے'' لیکن چونکہ تخلیق آدم میں اللہ تعالیٰ کی اپنی مصلحت تھی۔لہٰذا اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ ''جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے''۔

(ii) سورہ بقرۃ ہی کی آیت (۳۴) میں پھر ایک تفصیل آتی ہے کہ:

''جب تخلیق آدم ہوگئی اور اسے اللہ تعالیٰ نے علم سکھایا اور اس بناء پر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں، اس کی یہ وجہ تھی کہ آدمؑ اب فرشتوں کے مقابلے میں علم کی وجہ سے بزرگی اختیار کر گیا تھا، لہٰذا فرشتے آدم کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے''۔اس واقعہ سے یہ پتا چلتا ہے کہ فرشتے سجدے کا مطلب ضرور سمجھتے تھے اور جب انہوں نے آدم کو سجدہ کیا تو کیوں نہ وہ اپنے مالک کے سامنے اور زیادہ کمترین حالت میں سجدہ کرتے ہوں گے؟

(iii) سورۃ الانبیاء (۲۱) کی آیت (۲۰۔۱۹) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اللہ کے ہی ہیں، جو کوئی بھی ہیں آسمانوں میں اور زمین پر اور وہ جو اس (اللہ) کے نزدیک ہیں (یعنی فرشتے) وہ سرکشی نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور نہ ہی کاہلی کرتے ہیں، (اور) تسبیح کرتے ہیں رات دن (اللہ کی) اور تھکتے نہیں''۔

(iv) سورۃ فاطر (۳۵) کی پہلی آیت شریفہ میں فرشتوں کی ہیئت اور ایک کام کے بارے میں فرمایا گیا:

''تمام تر تعریفیں اور شکر اللہ ہی کے لیے ہے جو (اکیلا ہی) ہے بنانے والا آسمانوں اور زمین کو، جس نے بنایا فرشتوں کو پیغام رساں یعنی رسول، جن کے پَر ہیں دو یا تین یا چار۔ وہ بڑھاتا ہے اپنی مخلوق جیسے چاہتا ہے، بیشک اللہ ہر کام کرنے پر قادر ہے''۔

(v) سورۃ الصافات (۳۷) کی آیت (۱۶۶۔۱۶۵) میں فرشتوں کی صلوٰۃ کے بارے میں بتایا گیا کہ: ''اور ہم (فرشتے) ہی ہیں، صف باندھنے والے (صلوٰۃ کے لیے)''۔

''اور ہم (فرشتے) ہی ہیں تیری (اللہ) تسبیح کہنے والے (صلوٰۃ میں)''۔

(vi) قرآن حکیم کی سورۃ الزخرف (۴۳) کی آیات (۱۹ اور ۱۷۔۱۶) بہت ہی اہمیت کی حامل ہیں۔ کیونکہ ان آیات شریفین کے مطابق کفار ومشرکین عرب فرشتوں کو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے اور ان کی پرستش کرتے، یہ کہہ کر کہ وہ ان کے ذریعہ سے اپنے کاموں کے لیے اللہ سے سفارش کراتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ شرط رکھی گئی ہے کہ وہ یہ اقرار کریں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی پاک مخلوق ہے، نہایت تابعدار، عبادت گزار اور اپنے آقا کے حکم کے منتظر رہنے والی مخلوق۔

درج بالا آیات کا مطلب درج ذیل کیا جاتا ہے:

''کیا اس (اللہ) نے بنائیں اپنے لیے بیٹیاں اپنی مخلوق میں سے، اور اس (اللہ) نے منتخب کیے تمہارے لیے بیٹے؟''

''جبکہ ان میں سے کسی ایک کو (جنہوں نے اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھہرائیں) اس بات کی خبر دی جاتی ہے (کہ اس کے گھر بیٹی پیدا ہوئی) اس بات کی کہ جو وہ اللہ کے لیے چاہتا ہے، جو رحمٰن ہے، مہربانیاں کرنے والا، تو اس شخص کا منہ کالا ہو جاتا ہے، غم کی وجہ سے (کہ وہ بیٹی کا

باپ بن گیا) اور وہ (لوگ) فرشتوں کو جو کہ رحمٰن کے بندے ہیں، ٹھہراتے ہیں مؤنث، کیا وہ لوگ ان کی پیدائش کے گواہ تھے؟ یہ ناگوار بات جو انہوں نے اللہ کے بارے میں کہی لکھ لی جائے گی، اور پھر ان سے اس کے متعلق سوال کیا جائے گا (قیامت کے روز)''۔

۵۔ غیر مرئی مخلوق کی صلوٰۃ

نظر نہ آنے والی مخلوق یعنی جنات کی صلوٰۃ۔ یہ مخلوق دنیاوی ہے اور یہ گھریلو اور سماجی زندگی بسر کرتے ہیں۔ نیز یہ قبیلوں کی شکل میں رہتے ہیں اور اپنے اپنے گروہوں کے سردار منتخب کرتے ہیں۔ انہیں بھی اللہ تعالیٰ نے اچھائی اور برائی کے بارے میں بتانے کے بعد یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق اچھائی یا برائی اختیار کریں، لیکن ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اچھائی کا حکم ہی دیتا ہے۔ اس وجہ سے بروز قیامت ان کا بھی حساب ہوگا کہ کس نے اللہ تعالیٰ کی تابعداری کی اور کس نے نافرمانی۔

ابلیس بھی ایک جن ہی تھا، جو اپنی بندگی کی وجہ سے فضیلت پا کر فرشتوں کے ساتھ رہنے کا مرتبہ پا گیا۔ لیکن اس کی بدبختی کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے ایک انکار پر ہمیشہ کے لیے راندہ درگاہ ہو گیا۔

اب ان کی عبادات یا صلوٰۃ کے متعلق چند آیات قرآن الحکیم درج کی جاتی ہیں۔

(i) سورۃ الحجر (۱۵) کی آیت (۲۷) میں فرمایا گیا کہ:

''اور یہ جن، جنہیں پیدا کیا ہم نے اس سے پہلے (یعنی قبل تخلیق انسان) بغیر دھوئیں کی آگ کے شعلے سے''۔

(ii) سورۃ الاحقاف (۴۶) کی آیات (۳۰۔۲۹) میں بیان ہوا:

''اور (یاد کرو) جب ہم (اللہ) نے بھیجا تمہاری (محمد) طرف ایک گروہ جنات کا جو (خاموشی) سے سن رہے تھے قرآن۔ جب وہ وہاں کھڑے ہوئے تو انہوں نے کہا (آپس میں) کہ سنو! خاموشی سے (تاکہ سمجھ سکیں) اور جب یہ کلام ختم ہوا (جسے عالی جناب محمد رسول اللہ ﷺ تلاوت فرما رہے تھے) تو وہ (جنات کا) گروہ اپنے لوگوں کی طرف واپس چلا گیا، اُن کو اس کلام کے بارے میں آگاہ کرنے کے لیے''۔

''اور وہاں جا کر انہوں نے کہا اے ہمارے لوگو! بے شک ہم نے ایک کتاب (قرآن) سنی ہے جو بھیجی گئی ہے موسیٰؑ کے بعد، اس بات کی گواہی دیتی ہوئی جو اس سے پہلے نازل ہوا، یہ سچائی اور سیدھے راستے کی جانب گامزن کرتی ہے اور اس کی آگاہی بخشتی ہے''۔

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہو گیا کہ جنات مسلمان بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی۔

(iii) سورۃ الذریات (۵۱) کی آیت (۵۶) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اور میں (اللہ) نے پیدا کیے جن اور انسان صرف اس لیے کہ وہ (صرف) میری عبادت کریں''۔

جب جنات توریت اور قرآن کو سمجھتے ہیں اور ان پر یقین بھی کرتے ہیں تو ظاہر ہے کہ عبادت بھی انسانوں کی طرح ہی کرتے ہوں گے۔ مسلمان مسلمانوں کی طرح، اور کافر کافروں کی طرح۔

(iv) سورۃ الجن (۷۲) کی آیات (۲-۱) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''کہو (اے محمد) مجھے یہ الہام کیا گیا ہے کہ جنات کے ایک گروہ نے سنا (قرآن)، (اور) انہوں نے کہا، بے شک ہم نے سُنا ایک باکمال اور عجیب تلاوت قرآن''۔

''یہ (کتاب) آگاہی بخشتی ہے سیدھے راستے کی، اور ہم نے اسے تسلیم کر لیا ہے۔ اور ہم کبھی بھی شریک نہیں کریں گے (عبادت میں) کسی کو بھی اپنے رب کے ساتھ''۔

جنات کے بارے میں اور بھی آیات ہیں قرآن حکیم میں، لیکن یہاں یہ بتانا مقصود تھا کہ جن اللہ تعالیٰ کی ایک غیر مرئی مخلوق ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت بالکل انسانوں کی طرح ہی کرتے ہیں، اور وہ شریعت وقت کے مقلّد بھی ہوتے ہیں، بصورت دیگر کافر۔

۶۔ تاریخ صلوٰۃ، جناب آدمؑ تا نوحؑ

اللہ رب المالک الملک نے آدمؑ کی تخلیق فرمائی، اس میں اپنی روح پھونکی اور خود اس کی نوک پلک درست فرمائی، پھر اسے علم سکھایا، یعنی وہ تمام کے تمام علوم وفنون جو بھی دنیا میں ظاہر ہیں اور جو قیامت تک ظاہر ہوں گے وہ تمام کے تمام آدم کی جین (Gene) میں رکھ دیے، جو اس کی اولاد میں منتقل ہوتے رہتے ہیں اور ان میں سے حسب توفیق اپنا اظہار انفرادی طور پر

کرتے ہیں۔ یہ علم چونکہ آدمؑ سے پہلے کی مخلوق اعلیٰ کے پاس نہ تھا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے جناب آدمؑ کو تمام مخلوق پر بزرگی اور عظمت عطا فرما دی اور اس کا اظہار اس طرح سے کیا کہ فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ جناب آدمؑ کے سامنے ادب کے اظہار کے طور پر سجدہ کریں۔

(تلخیص سورۃ بقرہ آیت: ۳۱ و تلخیص سورہ اعراف آیت: ۱۱)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جناب آدمؑ سے سیدہ حواؑ کی تخلیق فرما کر حضرت انسان کا جوڑا بنا دیا تا کہ وہ تولید نسل انسانی کے بعد انسانی تہذیب وتمدن کی ابتدا کریں۔ (تلخیص سورۃ نساء آیت: ۱)

جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیات (۳۹-۳۶) میں فرمایا گیا کہ:

''جب آدمؑ وحوا سے اپنی جنت کی رہائش گاہ میں رہتے ہوئے شیطان کے بہکانے سے غلطی کا ارتکاب ہو گیا تو وہ اپنے مالک کے حضور انتہائی شرمندگی اور خوف کی حالت میں آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حالت شرمندگی کی کمترین حالت میں دیکھ کر معافی کے کلمات سکھائے اور پھر اس شرط کے ساتھ معافی کا پروانہ عطا فرمایا کہ اب وہ وقتِ مقرر تک زمین پر اتارے جائیں گے، اور وہاں پر ان کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے ہدایت خداوندی کا تسلسل کے ساتھ نزول کیا جائے گا اور پھر جو کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق دنیا میں رہیں گے وہ واپس اپنے اجداد کے مقام میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں ان کے لیے نہ کوئی غم ہوگا نہ خوف، لیکن جو تعمیل حکمِ ربّی سے غافل رہیں گے تو وہ عذاب جہنم میں مبتلا کر دیے جائیں گے۔

جیسا کہ قبل ازیں سورہ الذاریات (۵۱) کی آیت (۵۶) میں بتایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات اور انسان کو محض اپنی عبادت کے لیے تخلیق فرمایا۔ اب جبکہ آدمؑ فرشتوں کی عبادت دیکھ چکے تھے اور فرشتوں کو اپنے آگے سجدہ ریز ہوتے ہوئے بھی دیکھ لیا، لہٰذا اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جناب آدمؑ کو عبادت کے طریقوں یعنی ذکر، قیام، رکوع اور سجود کا علم بھی ہو گیا تھا۔ اسی لیے انہوں نے زمین پر آباد ہوتے ہی فرشتوں کی مدد سے زمین کے مرکز میں ایک جگہ بنائی اور اسے عبادت کے لیے مختص کر لیا۔ اس ضمن میں قرآن الحکیم میں سورۃ آل عمران کی آیت (۹۶) میں فرمایا گیا کہ:

''بے شک! پہلا گھر (عبادت کے لیے) مقرر کیا گیا انسانوں کے لیے جو کہ بکّہ میں تھا (یعنی مکہ میں) رحمتوں والا اور ہدایت والا''۔

اسی ضمن میں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو زمین پر اپنا نائب مقرر فرما کر اسے تمام مخلوقات پر برتری عطا فرمائی، بالکل اسی طرح سے یقیناً آدمؑ کو دوسری تمام مخلوقات کی عبادات، اذکار اور ریاضت پر بھی برتری عطا فرمائی ہوگی۔ اس کے علاوہ جناب آدم کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ اپنی نسل کی تربیت اللہ تعالیٰ کی ہدایات کے مطابق کریں۔ اور انہیں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے سارے طریقے یعنی اعمال اور عبادات کے طریقے بھی اچھی طرح سے سمجھا دیں، اس کے ساتھ ہی اولادِ آدم کو یہ اختیار بھی دے دیا گیا کہ چاہیں تو اللہ کے احکامات کے سامنے مکمل تابعداری کا مظاہرہ کریں یا پھر شیطان کے راستے پر چل کر اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی کریں۔

اس طرح سے ہمیں معلوم ہو گیا کہ انسانی تہذیب وتمدن کا ایک باب جناب آدمؑ تا نوحؑ تک ہے، جس کا ہمیں مفصل حال جناب آدمؑ اور جناب نوحؑ کے حوالے سے ہی ملتا ہے۔ اس دور کے متعلق قرآن حکیم نے دو واقعات کے ذریعہ معلومات دی ہیں۔ ایک تو ہابیل اور قابیل کا واقعہ اور دوسرا طوفانِ نوح۔ ان دونوں واقعات میں اس کے تابعدار بندوں اور اللہ کے نافرمان بندوں کا ذکر ملتا ہے، یا پھر اسرائیلیات کے ذریعہ کچھ علم ملتا ہے۔

آدمؑ کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل (Abel & Cain) کے درمیان کسی ایک وجہ سے رقابت کی آگ بھڑک اٹھی اور اس وجہ سے قابیل اپنے بھائی کا شدت کے ساتھ دشمن بن گیا۔ چنانچہ دونوں نے اپنی اپنی سچائی ثابت کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ کے حضور قربانیاں پیش کیں۔ قربانی کے معاملے میں اس وقت یہ دستور تھا کہ دونوں فریق یا کوئی ایک فرد کوئی جانور ذبح کر کے کسی کھلی یا اونچی جگہ پر رکھ دیتا۔ اگر یہ جانور جل کر بھسم ہو جاتا تو یہ سمجھ لیا جاتا کہ وہ قربانی قبولیت پا گئی۔ بصورت دیگر سمجھا جاتا کہ قربانی قبول نہیں ہوئی۔ لہٰذا جس کی قربانی قبول نہ ہوتی اسے موقع فراہم کیا جاتا کہ وہ اپنی غلطی یا گناہ کا ادراک کر کے معافی اور توبہ کا اہتمام کرے۔

چنانچہ ہابیل کی قربانی قبول اور قابیل کی قربانی مسترد کر دی گئی۔ چنانچہ قابیل اس پر اپنی غلطی اور گناہ کا احساس کرنے کی بجائے مزید گناہ کی طرف بڑھ گیا اور اس نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا۔ [یہ واقعہ سورہ مائدہ (۵) کی آیات (۳۰۔۲۷) میں مذکور ہے] یعنی اس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے انحراف کیا اور شیطان کے چنگل میں پھنس گیا، ورنہ توبہ اور معافی کا دروازہ اس کے لیے کھلا ہوا تھا۔

اس دور کے آخر میں دورِ نوحؑ آتا ہے، جس میں جناب نوحؑ نے نو سو برس سے زیادہ اپنی قوم کو اقامت الصلوٰۃ کا درس دیا۔ لیکن وہ بد بخت ان کی مخالفت کرتے رہے۔ اور انہوں نے اقامت الصلوٰۃ سے منہ موڑے رکھا۔ اس نافرمانی کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان کے مال اسباب، گھروں اور باغات کو ایک زبردست طوفان کے ذریعہ ملیا میٹ کر دیا۔ اور ان لوگوں کا نام ونشان ہی مٹ گیا۔ اس ضمن میں سورہ نوح (۷۱) میں مفصل ذکر کیا گیا ہے۔ اس تذکرے کا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ اقامتِ الصلوٰۃ کی نافرمانی کرنے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے، تاکہ دورِ حاضر کے نافرمان اس سے سبق حاصل کر سکیں اور اقامت الصلوٰۃ کے پابند ہو جائیں۔

اسرائیلیات کے حوالے جو توریت کی تفسیر کے حوالے سے یونانی زبان میں ہیں ان میں یہ تذکرہ ملتا ہے کہ ایک مرتبہ جناب آدمؑ بیمار ہوئے، تو انہوں نے اماں حوا سے کہا کہ وہ ان کے لیے اللہ سے دعا کریں۔ چنانچہ وہ رکوع میں جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرنے لگیں، اور اسی طرح سے اس کتاب میں آدم وحوا کے سجدے کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس کے علاوہ ان دونوں کے ہاتھ پھیلا کر دعا کرنے کے واقعات بھی مذکور ہیں اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جناب سلیمانؑ کی مسجد میں دونوں ہاتھ پھیلا کر ہی دعا کی جاتی تھی۔ یہاں یہ تمام باتیں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جناب آدمؑ سے جناب نوحؑ کے دور تک اللہ کے تابعدار بندے اللہ کے حضور قربانی بھی پیش کرتے تھے اور کھڑے ہو کر، رکوع میں جا کر، سجود میں جا کر اور دونوں ہاتھ پھیلا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی کا اظہار اور اس کا شکر بجالاتے اور اپنی حاجت روائی بھی کرتے۔ اور یہی سب کچھ کرنے کو صلوٰۃ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حضور عبادت اور بندگی کے یہی طریقے جناب ابراہیم خلیلؑ کے دور سے جناب رسول کریمؐ کے دور تک اپنی انتہائی حالت تک پہنچ گئے، جو قیامت تک جاری وساری رہیں گے۔

۷۔ صلوٰۃ کی حقیقت

اب یہ جاننا ضروری ہو جاتا ہے کہ حقیقتِ صلوٰۃ اور اس کے نمایاں پہلو کیا ہوئے، اس منظر میں جو ابھی تک بیان کیا جا چکا ہے؟ صلوٰۃ جو کہ اللہ تعالیٰ کی پہلی مخلوق سے ہی جاری وساری ہے، ہو سکتا ہے کہ اس کی ادائیگی کے طریقوں میں کچھ فرق ہوتا رہا ہو لیکن اس کی حقیقت اور منشاء ایک ہی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ میں ایک تو اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بیان کی جاتی ہے جسے ذکر کہتے ہیں،

اس کے علاوہ تلاوت قرآن کو بھی ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تسبیح بیان کرنا بھی ذکر ہے۔ لیکن ان تمام اذکار کے بیان کرنے کی حالتیں مختلف ہیں، ایک تو یہ کہ چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، لیٹے ہوئے اپنی کروٹوں پر، ہاتھوں سے کوئی کام کرنے کے دوران، فرصت کے لمحات میں، اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کا ذکر کرنا، یا اس کے علاوہ خاص اوقات کے دوران خاص حالت میں آکر یعنی قیام، رکوع، سجود اور جلسہ کی حالت میں آکر اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور ذکر کرنا جسے عرفِ عام میں صلوٰۃ یا نماز کہا جاتا ہے۔ لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ صلوٰۃ کے دو اہم جز یا عنصر ہوئے (۱) ذکر اور (۲) سجدہ۔ اس مقام پر یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ قیام اور رکوع دراصل اہتمام میں سجدہ ہیں۔ اس لیے یہ معلوم ہوا کہ حقیقت صلوٰۃ جاننے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم ذکر اور سجدے کی حقیقت کو اچھی طرح سے ذہن نشین کرلیں، تاکہ ہماری صلوٰۃ مقام قبولیت حاصل کرلے۔

۸۔ ذکر اور سجدے کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ بھی وجودِ ہستی میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق ہے اور اسی کی ملکیت ہے اور کوئی بھی تخلیق اللہ تعالیٰ کی دسترس سے باہر نہیں۔ ہر شے پر اس کا اختیار اور قابو ہے، چونکہ اللہ ہی ہر شے کا مالک ہے یعنی ایک ذرّے سے لے کر بڑے سے بڑے کہکشاں تک، لہٰذا مالک یہ چاہتا ہے کہ اس کی مخلوق اس کی حمد وثناء بیان کرتے ہوئے، اس کا ذکر کرتے ہوئے اس کے جاہ وجلال و اکرام کے سامنے سجدہ ریز ہوجائے، تاکہ وہ اپنے مالک کے حضور اپنی کمترین حقیقت اور مالک کی عظمت کو پیش نظر رکھ کر اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرسکے۔ انسان چونکہ تمام مخلوقات میں فضیلت یافتہ ہے لہٰذا وہ اپنے مالک کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے بہت اہتمام کے ساتھ اس کا ذکر بھی کرتا ہے، گریہ بھی کرتا ہے اور سجدہ ورکوع بھی کرتا ہے۔ اس اہتمام میں اس کا غسل کرنا، وضو کرنا، پاک لباس پہننا، خوشبو لگانا، رکوع اور سجود کے لیے پاک جگہ کا اہتمام کرنا، یہ سب کچھ اہتمام صلوٰۃ اور صلوٰۃ بذاتِ خود اہتمام سجدہ ہے۔ کیونکہ سجدہ کی حالت ہی بندگی کی اعلیٰ ترین شکل ہوتی ہے جبکہ یہی حالت سجدہ کرنے والے کی کمترین اور ذلیل ترین حالت ہوتی ہے۔

اسی لیے جناب آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا کرنے کے بعد عبادت کے اعتبار سے سب سے پہلے سجدے کی تعلیم عطا فرمائی۔ اور عملی طور پر فرشتوں نے انہیں سجدہ کرکے بتا بھی دیا کہ یہی وہ

عبادت ہے جو اللہ رب العزت کو پسند ہے، اس موقع پر ایک تو جناب آدمؑ کو یہ بتا دیا گیا کہ وہ تمام مخلوق میں اعلیٰ درجہ پر فائز کردیے گئے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی بتا دیا گیا کہ وہ اللہ کی مخلوق ہے اور اللہ کے حکم کے پابند اور صرف اسی کی عبادت کرنے کے پابند ہیں، اور دوسری بات جناب آدم کو یہ بتا دی گئی کہ اللہ کی مخلوق میں ابلیس بھی ہے، جس سے اللہ ناراض تو ہے لیکن اس کو یہ اجازت عطا کردی گئی ہے کہ مخلوق اعلیٰ وجنات جو ابلیس ہی کی نسل میں سے ہیں، ان کو بہکا سکتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ جو اللہ کے تابعدار بندے ہیں وہ ابلیس کے بہکاوے میں نہ آئیں گے اور جو آئیں گے تو وہ پھر اُسی کے ساتھ جہنم رسید ہوجائیں گے۔ یعنی دوسرے لفظوں میں اللہ کی نافرمانی راندہ درگاہ کردیتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور تابعداری مقامِ معراج عطا کرتی ہے۔

اب چونکہ یہ پتا چل گیا کہ صلوٰۃ کے دو اہم عنصر ہیں، ایک سجدہ اور دوسرا ذکر۔ اس لیے یہ ضروری امر ہے کہ دونوں اعمال کی حقیقت کو علیحدہ علیحدہ سمجھ لیا جائے، تاکہ صلوٰۃ کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی نہ سرزد ہوجائے، کیونکہ یہ معاملہ اپنے رب کو راضی کرنے کا معاملہ ہے اور اس میں بندے کی ازلی بقاء کا راز بھی ہے۔

(i) ذِکر اَللّٰہ ذُو الجَلالِ وَالاِکرَام

ذکر کی اہمیت اور فضائل کے بارے میں قرآن الحکیم کی سورہ بقرہ (۲) کی آیت (۱۵۲) نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ یہ چھوٹی سی آیت کریمہ اسلام کے ان بندوں کو جو اللہ کے ذکر کا اہتمام کرتے ہیں، ایک بہت بڑے معراج کی نوید سناتی ہے۔ ایسی نوید جو زیادہ تر لوگوں کے گمان میں بھی نہیں آتی۔ لہٰذا اللہ کے بندوں سے التماس ہے کہ اس آیت مبارکہ کا بہت غور سے مطالعہ کریں۔ یہاں اسی آیت شریفہ کو مفصل طریقہ سے بیان کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سب سے پہلے اس آیت کا مطلب ومعنی ملاحظہ فرمائیں۔ فرمایا گیا ہے کہ:

''مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد رکھوں گا، اور میرے شکرگزار رہو اور کبھی ناشکری نہ کرنا''۔

اس آیت کریمہ کی تشریح کے لیے صحیح بخاری کی ایک حدیث مبارکہ پیش کی جاتی ہے۔ جناب ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا جناب نبی کریمؐ نے کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''میں ویسا ہی ہوں جیسا کہ میرا بندہ مجھ سے توقع کرتا ہے، اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے آپ میں مجھے یاد کرتا ہے، تو میں بھی یاد کرتا ہوں اُسے

اپنے آپ میں ۔اور اگر وہ مجھے کسی محفل میں یاد کرتا ہے، تو میں بھی اسے اس سے اعلیٰ محفل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میری طرف آتا ہے، تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف آتا ہوں ۔ اگر وہ ایک ہاتھ میری طرف بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں، اور اگر وہ چلتا ہوا میری طرف آتا ہے تو میں دوڑتا ہوا اس کی طرف آتا ہوں'' ۔

سبحان اللہ! کیسا قدر دان ہے، ہمارا رب اور بے انتہا محبت کرنے والا اپنے بندوں سے! آپ ملاحظہ فرمائیں اور خود ہی اندازہ لگائیں کہ ذکر کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے میرے جیسے عام ناکارہ بندے کے یاد کرنے پر اسے بڑی محبت کے ساتھ بہت زیادہ درجے میں یاد فرماتا ہے، تو کیا میرے لیے یا ان تمام بندوں کے لیے جو اس کا ذکر کرتے ہوں، ایک معراج نہیں ہے؟ یہی تو معراج ہے، اسی کو تو معراج کہتے ہیں! کہ اللہ اپنے بندوں کو یا کسی ایک بندے کو یاد کرے۔ یہ الگ بات ہے کہ معراج کے بھی بہت سے درجات ہوتے ہیں۔ لیکن ہمارے جیسوں کے لیے یہ بار بار سوچنے کا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا نام لے کر ہمیں یاد فرماتے ہیں، اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اللہ اس وقت اپنے اس بندے کو جو اس کا ذکر کر رہا ہوتا ہے اس سے خوش اور راضی ہو رہے ہوتے ہیں، اس سے بڑی معراج اور کیا ہوگی کہ مالک بندے سے راضی ہو جائے؟ (شکر الحمد للہ) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم ۔

یہاں ایک بات بہت زیادہ قابل غور ہے، وہ یہ کہ انسان کا ذکر کیسا ہونا چاہیے؟ کیونکہ فرشتے بھی ذکر کرتے ہیں، جنات بھی، حیوان بھی، نباتات بھی اور مادّی اشیا بھی ۔تو پھر انسان کا ذکر کیا ان جیسا ہوگا یا کہ مختلف؟ کیونکہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام مخلوقات کے ذکر کرنے کا تذکرہ تو کیا ہے، لیکن ان کے اذکار کی درجہ بندی نہیں کی۔ بس ذکر کرنے کے لیے ذکر کی فضیلت بیان کی ہے۔ جیسے!

سورہ احزاب (۳۳) کی آیت (۴۱) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اے ایمان والو! ذکر کرو اللہ کا کثرت کے ساتھ''۔

یہاں ایک بات قابل غور ہے کہ چونکہ انسان کو فضیلت کے اعتبار سے درج بالا تمام مخلوقات سے بہتر درجے پر فائز کر دیا گیا ہے، اس لیے انسان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس کے ذکر کا درجہ بھی سب مخلوقات کے ذکر سے اعلیٰ ہونا چاہیے۔ کیونکہ انسان کا ذکر اختیاری ہے، جبکہ

جنات کے علاوہ دوسری تمام مخلوق کا ذکر غیر اختیاری ہے، لہٰذا انسان کے لیے یہ فرض بنتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو الٰہ مانتے ہوئے اور غیر مشروط کُلّی مالک واحد اور احد جانتے ہوئے نہ تو اللہ کی حکومت میں اور نہ ہی اس کی بندگی میں اور نہ ہی اس کے اختیار میں کسی بھی دوسرے کو کسی بھی طور پر شریک نہ کرے اور اس کے بعد اللہ کی حمد وثناء اس طرح سے کرے کہ اس فعل میں بندے کی تمام تر محبت اور بندگی شامل ہو جائے اور وہ بڑے شوق اور ذوق کے ساتھ اپنے رب کو راضی کرنے کی کوشش کرے۔ تو گویا یہ ہوگا انسان کا ذکر۔

اس ضمن میں سورہ الاعراف (۷) کی آیت (۲۰۵) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اور ذکر کرو اپنے رب کا اپنے نفس میں یعنی اپنے آپ میں یعنی اپنے دل میں نہایت عاجزی کے ساتھ (یعنی گڑگڑاتے ہوئے) اور ایسی آواز سے جو نہایت دھیمی ہو (یعنی اللہ تعالیٰ کے جاہ وجلال کی وجہ سے کانپتی ہوئی) صبح کے وقت اور شام کے وقت۔ اور مت رہو بے خبر (یعنی کہ یہ کام تسلسل کے ساتھ زندگی کے معمولات میں شامل ہونا چاہیے'') اس ضمن میں پھر فرمایا:

سورہ آل عمران (۳) کی آیت (۱۹۱) میں کہ:

''وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے ہو کر، بیٹھے ہوئے اور لیٹے ہوئے اپنی کروٹوں پر''۔

اس کے بعد پھر فرمایا سورۃ رعد (۱۳) آیت (۲۸) میں کہ:

''وہ لوگ جو ایمان لائے، ان کے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے، اللہ کے ذکر سے، بے شک اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے''۔

ایک آخری بات اس ضمن میں یہ بھی ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ اللہ کا ذکر اس کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنے کے علاوہ اس کی قربت اور محبت کے حصول کا ذریعہ بھی بنتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ فعل یعنی ذکر اللہ، انسانی قلب کی صفائی اور طہارت کے لیے بھی بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اگر اسی بات کو نفسیاتی زبان میں بیان کیا جائے تو اس طرح سے کہا جائے گا کہ عمل ذکر انسانی تحت الشعور کو برائی اور مغلظ خیالات سے پاک وصاف کر کے اذکار رب العلیٰ کے انوار سے پُرنور کر دیتا ہے۔ اور جب یہ کیفیت کی اس بلندی پر پہنچ جاتا ہے تو پھر ایسے قلوب ہی اللہ تعالیٰ کو پسند ہوتے ہیں کہ جہاں وہ بسیرا کرتا ہے۔ یعنی ایسے قلوب میں ہمہ وقت اللہ ہی کی یاد بستی ہے۔ اور یہی عظمت انسانی کا مظہر بنتی ہے۔

(ii) سجدہ

جب سجدے کا تصور کیا جائے یا اس کے متعلق کوئی گفتگو کی جاتی ہے، تو سجدہ کے بارے میں صرف ایک ہی بات ذہن میں آتی ہے اور وہ یہ کہ جب کوئی بندہ اپنی پیشانی کو زمین پر رکھ کر اپنی پشت اٹھا دیتا ہے تو وہ حالتِ سجدہ میں آ جاتا ہے۔ اور ظاہراً بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب مسلمان اپنے رب کے سامنے اور مشرک اپنے بتوں کے سامنے اس حالت میں آ جاتے ہیں تو یہ حالت سجدہ ہوتی ہے، کیونکہ یہی حالت انسان کی کمترین حالت سمجھی جاتی ہے جسمانی طور پر۔

لیکن اگر ہم اس حالت کو سجدہ تصور کر لیں، جو کہ ظاہراً ایسا ہے بھی، تو پھر کائنات کی دوسری مخلوقات جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں تو وہ تو اس حالت میں نہیں آتے جس طرح کہ انسان سجدے میں آتے ہیں۔ حالانکہ قرآن الحکیم میں صراحت کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ مخلوقات اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر قرآن حکیم کی صرف ایک ہی آیتِ مبارکہ لے لیں، یعنی سورہ حج (۲۲) کی (۱۸) جس میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے کہ زمین و آسمان کے مکین، زمین، سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور چھوٹے بڑے جانور اور انسان سب سجدہ کرتے ہیں۔ لیکن ان تمام مخلوقات کے سجود انسان کے سجدہ کی طرح نہیں نظر آتے، بلکہ لوگوں کو تو پتا ہی نہیں چلتا کہ وہ سجدہ کر رہے ہیں، لیکن یہ بات تو ظاہر ہے کہ ان کا سجدہ ظاہری طور پر انسان کے سجدے سے مختلف ہوتا ہے۔ یعنی ان کی پیشانی تو زمین پر لگتی نظر نہیں آتی۔ لیکن پھر بھی تمام مخلوقات کے سجدوں، مع انسان کے متعلق ایک ہی لفظ سجدہ استعمال ہوا ہے، عربی زبان کی بے انتہا زرخیزی، فصاحت اور بلاغت کے باوجود، کیونکہ عربی زبان میں الفاظ کی کمی نہیں ہے۔ اس میں تو ایک ایک چیز کے بے شمار نام ملتے ہیں، اسی طرح سے ہر مخلوق کے سجدے کا بھی الگ الگ نام ہو سکتا تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں کیا، تو اس کی کوئی وجہ تو ضرور ہوگی۔

اگر آپ غور فرمائیں تو پھر پتا چلتا ہے کہ سجدے سے مراد پیشانی کا زمین پر لگانا نہیں ہے بلکہ اللہ کی مخلوق کا اس کے سامنے اس کی بڑائی بیان کرنے کے لیے عین حالت عجز و انکساری کے ساتھ انتہائی کمترین اور ذلیل ترین حالت میں آ جانا، اس کی حیثیت کے مطابق سجدہ ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا ہر طبقہ اپنے اپنے شعوری اعتبار سے اپنی اپنی ممکنہ کم ترین اور ذلیل ترین حالت میں

آ کر اپنے آپ کو اپنے مالک کے حضور پیش کر دیتا ہے اور پھر اس کی تسبیح اور بڑائی بیان کرتا ہے۔

اب ہمارے سامنے اس حقیقت کے عیاں ہو جانے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جیسا کہ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ ایک شخص وقت مقررہ پر وضو کرتا ہے اور صلوٰۃ ادا کرتا ہے تو کیا اس نے عبودیت کا حق ادا کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نہیں، کیونکہ اس طرح سے تو دوسری مخلوقات بھی کرتی ہیں، اور یہ بھی کوئی کمال کی بات نہیں کیونکہ اللہ کے سامنے سرنگوں ہونا اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت یا جبلّت میں ڈال دیا ہے، لہٰذا اس کی مخلوق تو مجبور ہے اس کے سامنے سجدہ ریز ہونے کے لیے۔ اس کی ایک مثال تاریخ میں یہ ملتی ہے اور جو قبل ازیں بھی بیان کی جا چکی ہے، کہ ایک مرتبہ جب رسول کریمؐ کعبہ کے سامنے بیٹھے سورۃ نجم کی تلاوت فرما رہے تھے، جبکہ کفار بھی وہاں موجود تھے تو جب رسول کریمؐ آیتِ سجدہ کی تلاوت کرتے ہوئے فوراً سجدہ کی حالت میں چلے گئے تو انہیں دیکھ کر کفارِ مکہ جو کہ سورۃ نجم کی تلاوت سُن رہے تھے، وہ بھی غیر شعوری طور پر جناب رسول کریمؐ کے ساتھ ہی سجدہ میں گر گئے، لیکن وہ ایمان نہ لائے۔ لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ مخلوق اللہ کے لیے سجدہ وہ ہوتا ہے کہ اس کی مخلوق اس کے حضور اپنے آپ کو انتہائی کمترین حالت میں پیش کرے۔ لیکن انسان کے سجدہ کے متعلق یہ سمجھنا ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنے رب کے سامنے اسی طرح سے کمترین حالت میں لائے لیکن اپنے پورے شعور اور ارادے کے ساتھ، اپنے دل کی گہرائیوں سے اپنی تمام تر ذہنی اور قلبی حالت اور جسمانی کیفیات کو کمترین کیفیت میں لا کر اپنے مالک کے حضور پیش کرے اور ایسا عمل اور کیفیت کسی بھی غیر اللہ کے سامنے نہ لائے، تو یہ ہوگا انسان کا سجدہ۔ اگر اسی حالت کی ذرا اور تشریح کریں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ساجد کا قلب اللہ کی تسبیح کرے اور اس کے خون کا ایک ایک قطرہ تسبیح کرتا ہوا اس کے قلب سے گزر جائے۔ جب ایسا ہوگا تو پھر اس کی آنکھوں سے بھی سجدے ٹپکیں گے اور اس کی پر غرور گردن اور پیشانی عجز اور انکسار کی کیفیت میں آ کر زمین پر لگ جائے گی۔ اور معاملہ یوں ہو جائے گا کہ اس کی پیشانی کے ساتھ اس کا قلب، ذہن، زبان، آنکھیں اور جسم کے دیگر حصے سب کے سب اپنے رب کے سامنے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ ورنہ تو پھر یہی ہوگا کہ:

''تیرا دل تو ہے صنم آشنا، تجھے کیا ملے گا نماز میں؟''

باب دوم

ا۔ تاریخ صلوٰۃ ابراہیم خلیلؑ تا نبی رحمتؐ

(i) دورِ ابراہیمؑ کی صلوٰۃ

جب ابراہیمؑ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی زوجہ محترمہ حاجرہؑ اور اپنے نومولود بیٹے جناب اسماعیلؑ کو ایک بیابان میں چھوڑ کر واپس پلٹے تو سیدہ حاجرہؑ نے کہا کہ، کیا آپ ہمیں اس بیابان میں اکیلے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ جس پر جناب خلیلؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس پر پھر سیدہؑ نے فرمایا، تو کیا یہ اللہ کے حکم سے ہے؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں! اس پر سیدہؑ نے فرمایا: ''تو پھر وہ (اللہ) ہمیں نظر انداز نہیں کرے گا''۔

جب ابراہیمؑ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو آپ نے اپنے اہل خانہ کے لیے اللہ تعالیٰ سے اس طرح سے درخواست کی، جو سورۃ ابراہیم (۱۴) کی آیت (۳۷) میں مذکور ہے۔ یعنی ''اے ہمارے رب! میں نے بسایا اپنی ایک اولاد کو اس بنجر جگہ پر آپ کے محترم گھر کے پاس (گویا کہ وہ جان گئے تھے کہ کعبہ یہیں کہیں تھا) اس واسطے، اے ہمارے رب کہ وہ صلوٰۃ قائم کر سکیں اس لیے کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل محبت فرما دے۔ اور (اے اللہ) روزی مہیا فرما ان کو پھلوں کے ساتھ۔ اس لیے کہ وہ تیرے شکر گزار بن جائیں''۔

آپ ملاحظہ فرمائیں کہ ابھی تو وہاں نہ کعبہ تھا، نہ پانی اور نہ ہی زندگی کے کوئی آثار اور نہ ہی زندگی بسر کرنے کے کوئی ذرائع موجود تھے۔ لیکن جناب خلیلؑ اللہ کے حکم کے مطابق اپنے شیر خوار بچے کو مع ان کی والدہ کے چھوڑ کر چلے گئے۔ چونکہ یہ علم تو تھا کہ اسی جگہ پہلے کعبہ تھا اور پھر دوبارہ وہیں تعمیر کیا جائے گا، شاید اسی وجہ سے انہوں نے اپنے رب سے دعا کی، ان کے لیے پھلوں کی اور ان سے یہ بھی امید باندھی کہ وہ اللہ کے شکر گزار بندے بن جائیں گے۔ یوں لگتا ہے کہ بندگی کی اول منزل اپنے رب کی شکر گزاری ہی ہے۔ کیونکہ جو بندے شکر گزار ہوتے ہیں، وہی اپنے رب کی تابعداری بھی اختیار کرتے ہیں۔ اسی لیے جناب خلیل نے یہ دعا

بھی مانگی کہ ان کی اولاد اپنے مالک کے حضور ہمیشہ پابند صلوٰۃ رہے۔

اس واقعہ سے اور قرآن الحکیم کی آیت مبارکہ سے یہ ظاہر ہو گیا کہ جناب خلیلؑ صلوٰۃ کا تسلسل جاری رکھے ہوئے تھے۔ اس لیے وہ صلوٰۃ کا تسلسل اپنی آئندہ نسل سے بھی چاہتے تھے۔ کیونکہ اس ضمن میں قرآن الحکیم کی ایک اور آیت مبارکہ سورۃ ابراہیم (۱۴) کی آیت (۴۰) میں مذکور ہے۔ جس میں عرض کیا گیا ہے جناب خلیلؑ کی طرف سے کہ:

''اے میرے رب! مجھے صلوٰۃ قائم کرنے والا بنا دے، اور میری اولاد میں سے بھی۔ اے میرے رب! میری (اس) دعا کو شرف قبولیت عطا فرما''۔

آپ اندازہ فرمائیں کہ جناب خلیلؑ کو اپنی اولاد کی کس قدر فکر تھی، کہ کہیں وہ صلوٰۃ کی ادائیگی سے غفلت برت کر شیطان کی راہ پر نہ چل پڑیں، اور پھر جہنم ان کا ٹھکانہ ہو جائے۔ بے شک! اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو شرف قبولیت عطا فرمایا۔ چنانچہ جناب خلیلؑ کی ایک نسل جو جناب اسحٰقؑ سے شروع ہوئی اس میں سے لاتعداد انبیاء جناب خلیلؑ کی اولاد میں سے اقامت الصلوٰۃ کی تربیت کی غرض سے بھیجے گئے۔ جن کے پیروکار یہودی اور عیسائی ہیں۔ جبکہ دوسری جانب جناب خلیلؑ کے دوسرے بیٹے اسماعیلؑ جنہوں نے جزیرۃ العرب کے لوگوں کو اقامت الصلوٰۃ کی تربیت دی۔ لیکن جب اہل عرب بت پرستی کی طرف مائل ہو گئے اور یہودی اور نصاریٰ دینِ حق میں رد و بدل کر کے دین کے سب سے بڑے رکن اقامت الصلوٰۃ سے بے بہرہ ہو گئے تو دین حق کی ازسرنو (قیامت تک کے لیے) تشکیل دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے عالیجنات محمد رسول اللہؐ کو اس کام کے لیے منتخب فرمایا کہ وہ اقامت الصلوٰۃ کی تربیت و ترویج کر کے اس کی ترویج کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کی منشاء معلوم ہوتی ہے کہ قیامت تک یہ سلسلہ چلتا رہے۔ جب کبھی بھی دنیا کے کسی حصے میں اس سلسلے میں غفلت برتی جائے گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی دوسرا طبقہ اقامت الصلوٰۃ کے قیام اور تلقین کے لیے پیدا کر دیا جائے گا۔

یہاں ایک بات کا ذکر کرنا ضروری ہے کہ جناب خلیلؑ نے اقامت الصلوٰۃ کی جو تحریک چلائی تو وہ کوئی نئی بات نہ تھی بلکہ آپؑ سے پہلے جناب نوحؑ اور جناب آدمؑ کے وقت سے ہی اقامت الصلوٰۃ کی تحریک شروع کر دی گئی تھی۔ جیسا کہ سورہ الصٰفٰت (۳۷) کی آیت (۸۳)

جو اس سے پہلے والی آیت (۸۱) اور (۸۲) سے جڑی ہوئی ہے، اس کے مطابق فرمایا گیا:

''اور وہ بے شک جنہوں نے راستہ اختیار کیا (دین نوح کا) وہ تھے ابراہیم''

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ نوحؑ نے جس اقامت الصلوٰۃ جو پہلے سے رائج تھی، اس کا بیڑا اٹھایا تو قوم نوح جو مکمل گمراہ ہو چکی تھی، اسے نو سو برس تک سمجھاتے رہے۔ اور جب وہ بالکل منکر ہوئے سوائے کتنی کے لوگوں کے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو طوفان کے ذریعہ تباہ و برباد کر دیا۔ پھر چند بچے ہوئے لوگوں میں سے جو اولاد پیدا ہوئی تو ان میں جناب ابراہیمؑ کے ذمے یہ کام لگایا گیا کہ وہ پھر سے اقامت الصلوٰۃ کا بیڑا اپنے سر لے لیں۔ چنانچہ آپؑ نے دینِ حق کی تحریک اپنے ذمے لے لی۔ اس لیے منکران دین اور منکران صلوٰۃ کو جتلانے کے واسطے اللہ تعالیٰ نے قرآن الحکیم کی سورہ آل عمران (۳) کی آیت (۶۷) میں فرمایا کہ:

''ابراہیمؑ نہ تو یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی، بلکہ وہ تھے ایک سچے مسلمان، حنیفہ اور وہ مشرکین میں سے نہ تھے''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہودی یا عیسائی کہلوانا حتیٰ کہ مسلمان کہلانا بھی کوئی قابل فخر بات نہیں ہے۔ بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کا تابعدار بندہ بن کر اس کے تمام احکامات پر عمل کرے اور صلوٰۃ کے عمل کو جاری رکھے۔ اور یہ سمجھنا بھی ضروری ہے کہ صلوٰۃ کو قائم رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل اور اس کی مکمل تابعداری کو پورے تسلسل کے ساتھ جاری و ساری رکھا جائے۔ اور اسی لیے ایسے شخص کو مسلمان کہا جاتا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ''اللہ کے حکم کے سامنے گردن جھکانے والا'' یعنی اللہ کے حکم کی مکمل طور پر تعمیل کرنے والا۔

اس ضمن میں قرآن الحکیم کی سورۃ انعام (۶) کی آیت (۱۶۲) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''کہو (اے محمدؐ) بے شک میری صلوٰۃ، میری قربانی، میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے ہے، جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے''۔

جب کہ اس سے پہلے والی آیت (۱۶۱) میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

''کہو (اے محمدؐ) بے شک میرے رب نے ہدایت عطا فرمائی صراطِ مستقیم کی طرف، جو کہ صحیح دین ہے، وہ دین جو ابراہیمؑ کا تھا اور وہ حنیفہ تھا (یعنی کہ سچا اور شرک سے پاک) اور وہ

(ابراہیم) مشرکین میں سے نہ تھے''۔

اور وہی دینِ نوحؑ اور دینِ آدمؑ تھا۔

اسی طرح سے قومِ شعیبؑ جو جناب ابراہیم سے پہلے تھی، ان کے واقعات کا ذکر سورہ ہود (۱۱) کی آیات (۸۷۔۸۴) میں بیان ہوا ہے، جس کا خلاصہ بیان کرنا یہاں مناسب رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے مدائین کے لوگوں میں سے ان کے پاس شعیبؑ کو بھیجا۔ جس نے اپنی قوم سے کہا! کہ اے میری قوم! صرف اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی اور الٰہ نہیں ہے اور اوزان میں کمی بیشی نہ کرو، اور اسی میں تمہاری فلاح ہے۔ ورنہ مجھے خوف ہے کہ تمہارے اوپر کسی روز ایک خوفناک عذاب نہ آجائے۔

اس کے بعد پھر جناب شعیبؑ نے اپنی قوم کو تنبیہ کی کہ انصاف کے ساتھ پورا پورا لین دَین کرو، اور اس میں کمی نہ کرو، جب تم فروخت کرتے ہو اور زمین میں فساد برپا نہ کرو اور نہ ہی بے انصافی کرو۔

اس کے بعد قوم شعیبؑ کے بد بخت لوگوں نے جواب دیا کہ:

''اے شعیب! کیا تمہاری صلوٰۃ یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے اجداد جن کی پرستش کرتے تھے ہم ان کو چھوڑ دیں، یا پھر اپنی دولت کو اپنی مرضی سے خرچ نہ کریں''۔

(اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خیرات اور زکوٰۃ کے بھی منکر تھے) پھر انہوں نے کہا، (ازراہِ تمسخر): ''بے شک تم تو بہت سچے اور نیک ہو''۔

ان آیاتِ مبارکہ سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جناب شعیبؑ نے اپنی قوم کو خاص طور پر اقامت الصلوٰۃ کا حکم اس موقع پر تو نہ دیا بلکہ اس سے قبل وہ حکم صلوٰۃ دے چکے تھے اور پھر بعد میں انہوں نے شرک اور ناانصافی کے گناہ سے خبردار کیا اور دیانتداری سے روزی کمانے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کی، لیکن ان بدبختوں نے ان باتوں کو یعنی احکامات کو نہ صرف نظرانداز کیا بلکہ پہلے سے کی گئی تلقین (صلوٰۃ کو قائم کرنے والی) کو بطور طعنہ استعمال کیا۔ اور یہ کہا کہ کیا یہ سارے احکامات تمہاری صلوٰۃ کا نتیجہ ہیں جو ہمیں ہمارے اجداد کی خلاف ورزی کرنے کو کہتے ہیں۔ (یعنی ان کے کافرانہ اور مشرکانہ روش کو)۔

یہ طعنہ بالکل اسی طرح سے دیا گیا جس طرح سے کہ آج اکیسویں صدی کے بیشتر مسلمان دیتے ہیں۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ صلوٰۃ کی طرف آؤ تو وہ پلٹ کر انہیں صلوٰۃ کا ہی طعنہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو ہمارا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ اور کہتے ہیں کہ ہم صلوٰۃ تو نہیں پڑھتے لیکن ہمارے دل صاف ہیں اور ہم کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتے اور پھر نمازیوں کی خرابیاں بیان کرتے ہیں۔

ان واقعات سے پتا چلتا ہے کہ صلوٰۃ کا قائم کرنا صرف یہ نہیں ہے کہ صرف نماز ادا کر لی جائے بلکہ اقامت الصلوٰۃ ایک پورا نظام فرمانبرداری اور اطاعت خداوندی ہے، اس کے ذریعہ سے زندگی کے ہر موڑ، ہر پہلو کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے تابع کرنا پڑتا ہے۔ اس میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ بھی آتی ہے خیرات بھی، امانت داری بھی، صداقت بھی، وعدہ کی پاسداری اور انصاف بھی، یعنی زندگی کے معاملات خواہ وہ ذاتی ہوں، گھریلو ہوں یا معاشرتی، ہر معاملے میں قوانین خداوندی کی پاسداری لازمی ہے۔ اب چونکہ نماز کی ادائیگی کے ساتھ دوسرے معاملات میں قوانین خداوندی کی پاسداری نہیں کی جاتی اس لیے نماز یا صلوٰۃ کے بارے میں طعنہ زنی کی جاتی ہے۔ اس لیے اہل ایمان سے خاص طور پر گزارش کی جارہی ہے کہ اپنی زندگی میں اقامت الصلوٰۃ کے پورے نظام کو جاری وساری کریں اور اسے اپنی بخشش کا ذریعہ بنائیں۔

(ii) قوم بنی اسرائیل کی صلوٰۃ

قومِ بنی اسرائیل جو اسرائیلی اور یہودی کہلاتے ہیں جناب ابراہیمؑ کے بیٹے اسحاقؑ کے بیٹے یعقوب کی اولاد میں سے ہیں۔ جناب یعقوبؑ کو یہودا (Juda) بھی کہتے تھے اور اسرائیل بھی۔ اسرائیل بہت اچھا لفظ ہے اور اس کا مطلب ہے عبداللہ یعنی اللہ کا بندہ۔

بنیادی طور پر ان کا مذہب ابراہیمی تھا جو قیامت تک کے لیے رائج الوقت کیا گیا ہے چند تبدیلیوں کے ساتھ۔ فرق صرف یہ ہے کہ اسرائیلی اور مسیحی شریعت موسوی یعنی قانون توریت کے پابند کیے گئے تھے۔ جبکہ وہی قوانین ترمیمات کے ساتھ عالیجناب محمد رسول کریمؐ کے ذریعہ اور اللہ کی کتاب قرآن کے ذریعہ قیامت تک کے لیے نافذ العمل کر دیے گئے۔

قومِ اسرائیل میں تاریخ صلوٰۃ جاننے کے دو ذرائع ہیں۔ ایک تو اسرائیلی روایات اور

توریت کی تفاسیریں، جبکہ توریت تو اصلی حالت میں ناپید ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا ذریعہ وہ علم ہے جو قرآن کے ذریعہ ہم تک پہنچا۔ لہٰذا ہم انہیں دو ذرائع کے ذریعہ قومِ اسرائیل کی صلوٰۃ کا جائزہ لیں گے۔

ا اسرائیلی ذریعہ معلومات

اسرائیلی کتاب سِدّر (Suddur) جو ان کی صلوٰۃ کے بارے میں روایتی کتاب ہے، اس کے مطابق ان کے ہاں روزانہ تین مرتبہ صلوٰۃ مقرر کی گئی ہے۔

☆ پہلی صلوٰۃ، سحر، یعنی صلوٰۃ الفجر (Shahar in Hebrew)

☆ دوسری صلوٰۃ، دوپہر کے بعد، (Mincha or Minha in Hebrew)

☆ تیسری صلوٰۃ، شام کے بعد، (Arvit or Ma'arive in Hebrew)

اس کے علاوہ ہفتہ وار صلوٰۃ (Shabbat Prayer)

اس کے علاوہ ایک اور صلوٰۃ جو سالانہ ہوتی ہے (Yom Kippur)

سال کے ایک مقررہ روز یومِ کپور کے دن یہ لوگ روزہ رکھتے ہیں اور گزشتہ برس کے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ یومِ کپور کا مطلب ہے گناہوں سے معافی کا دن، اس روز یہ ۲۵ گھنٹے کا روزہ رکھتے ہیں اور پانچ نمازیں ادا کرتے ہیں۔ یعنی تین روزانہ کی، چوتھی ہفتہ واری اور پانچویں سالانہ۔ روزے کے بعد والے دن یہ لوگ کھانے کا اہتمام کرتے ہیں اور خیرات کرتے ہیں۔

ان کی ایک کتاب تلمُود (Talmud) کے مطابق صلوٰۃ الفجر کی ابتدا جناب ابراہیمؑ نے کی، ظہر کی ابتدا جناب اسحاقؑ نے کی، جبکہ شام کی صلوٰۃ کی ابتدا جناب یعقوبؑ نے کی۔

اس کے علاوہ ان کے ہاں صلوٰۃ الجنازہ بھی ہے جسے یہ جزکور (Jizkor) کہتے ہیں۔ اس میں یہ میت کی بخشش کے لیے دعا مانگتے ہیں۔

ا قرآنی ذریعہ معلومات

قرآن حکیم کی سورۃ مائدہ (۵) کی آیت (۱۲) میں اللہ تعالیٰ نے اہل بنی اسرائیل سے خطاب فرمایا ہے کہ:

''بے شک اللہ نے عہد لیا، بنی اسرائیل سے، اور ہم (اللہ) نے مقرر کیے اُن پر، اُن میں سے بارہ سردار، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم قائم رکھو گے صلوٰۃ اور دیتے رہو گے زکوٰۃ اور ایمان لاؤ گے میرے رسولوں پر، ان کی عزت کرو گے اور ان کی خاطر خواہ مدد کرو گے، اور اللہ کو قرض دو گے احسن طریقے سے (یعنی اللہ کے نام پر خیرات دو گے، ضرورت مندوں کو) تو پھر میں تمہارے گناہوں کو معاف کر دوں گا اور داخل کروں گا تمہیں جنت کے باغوں میں جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، لیکن اگر تم اس سے پھر گئے اور منکر ہو گئے تو پھر وہ جو منکر ہوگا، بے شک گمراہی کے راستے پر چلا جائے گا، سیدھے راستے سے''۔

پھر فرمایا گیا آیت (۱۳) سورۃ مائدہ (۵) میں کہ اسرائیلیوں نے اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بدل کر اس وعدہ کو توڑ دیا، جو انہوں نے اللہ سے کیا تھا اور جس کا ذکر سورۃ المائدہ کی آیت 5 میں کیا گیا ہے۔ کیونکہ توریت میں مذکور ہے کہ ایک نبی (محمدؐ) آئیں گے تمام انسانوں کے لیے تو ان کی پیروی کرنا، لیکن جب نبی رحمتؐ تشریف لائے تو انہیں لوگوں نے آپؐ کو ماننے سے انکار کر دیا، اسی بارے میں مذکورہ آیات مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ:

''پس ان کے عہد توڑنے پر ہم (اللہ) نے ان پر لعنت کر دی۔ اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا اور وہ اس کے الفاظ کو (توریت کے الفاظ) اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔ اور اس فائدہ والی نصیحت کو بھول گئے اور تمہیں (رسول اللہؐ کو) ان کی اس خیانت کا پتہ چلتا رہے گا۔ سوائے چند لوگوں کے جو یہ خیانت نہیں کرتے۔ سو معاف کرو اور درگزر کرو ان سے، بے شک اللہ دوست رکھتا ہے احسان کرنے والوں کو''۔

اس کے بعد سورہ یونس (۱۰) کی آیت (۸۷) میں فرمایا گیا کہ:

''اور حکم بھیجا ہم نے موسیٰؑ کو اور اس کے بھائی (ہارونؑ) کو کہ مقرر کرو اپنی قوم کے لیے مصر میں گھر، اور بناؤ اپنے گھروں کو اپنی عبادت کی جگہ اور قبلہ رُخ، اور قائم کرو صلوٰۃ اور خوشخبری دو ایمان والوں کو''۔ (قبلہ رُخ گھر بنانے کا مطلب مسجد ہے) اور اہلِ یہود کا قبلہ مسجد الاقصیٰ بیت المقدس مقرر کیا گیا تھا، جو اولین دور میں مسلمانوں کے لیے بھی قبلہ تھا لیکن بعد میں مسلمانوں کا قبلہ کعبہ کو بنا دیا گیا۔

مزید سورہ الانبیاء (۲۱) کی آیت (۷۳-۷۲) میں ارشاد ہوا:

''اور بخشا ہم نے اس کو (یعنی ابراہیم کو) اسحاق اور یعقوب انعام میں اور سب کو نیک بخت کیا۔ اور بنایا ان کو ہم نے پیشوا کہ ہمارے احکامات سے مطلع کریں لوگوں کو، اور کہلا بھیجا ہم نے کہ اچھے کام کریں اور قائم رکھیں صلوٰۃ اور ادا کریں زکوٰۃ۔ اور وہ صرف ہماری (اللہ کریم کی) بندگی میں لگے ہوئے تھے''۔

پھر سورہ طٰہٰ (۲۰) کی آیت (۱۴-۱۳) میں جناب کلیم اللہ کے حوالے سے فرمایا:

''اور میں نے تجھ کو پسند کیا، سو تم سنتے رہو جو حکم تمہیں ملے، میں جو ہوں اللہ ہوں، کسی کی بندگی نہیں سوائے میری بندگی کے اور قائم رکھ صلوٰۃ میرے ذکر کے ساتھ''۔

(iii) صلوٰۃ قوم اسماعیلؑ

قومِ اسماعیل صرف اہل عرب ہیں، یعنی جو جزیرۃ العرب میں بدوؤں کی حیثیت سے رہتے تھے اور ان کا مرکز مکہ مکرمہ تھا۔ جو کعبہ کی وجہ سے محترم ومکرم تھا، جیسا کہ قبل ازیں بتایا جا چکا ہے کہ جناب ابراہیمؑ کی ایک نسل جناب اسحاقؑ کے واسطے سے جو مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کو اپنا مرکز بنا کر پروان چڑھی اور جن میں سے بے شمار بلکہ تمام کے تمام سوائے جناب خاتم الانبیاءؐ کے، جناب اسحاق کی اولاد میں سے ہی تھے، ان کے برعکس جناب ابراہیمؑ کی دوسری نسل جناب اسماعیلؑ کے حوالے سے کعبہ کو مرکز بنا کے جزیرہ نما عرب میں پروان چڑھی۔ اور جناب محمدؐ انہی میں سے تھے۔ لہٰذا اہل عرب میں یعنی اولاد اسماعیلؑ میں دینِ ابراہیمی تقریباً دو ہزار سال کے عرصے سے زیادہ دیر تک مروج رہا۔ اور اس عرصہ میں وہاں کوئی پیغمبر نہیں آیا، بلکہ دینِ ابراہیمی کی ترویج اولادِ اسماعیل ہی نے جاری رکھی۔ لیکن دینِ حق کی گرفت آہستہ آہستہ ڈھیلی پڑتی گئی۔ اور آخر کار تیسری صدی عیسوی میں اہلِ عرب میں دینِ ابراہیمی دم توڑ گیا اور اس کی جگہ صنم پرستی نے لے لی۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اولادِ اسماعیلؑ میں آخری شخص جو تھوڑا بہت دینِ حق پر تھا وہ لُوئے (Luayy) تھا جو (۳۷۴) عیسوی میں پیدا ہوا تھا۔ لیکن اہل عرب کی بدبختی کہ لُوئے کے بیٹے اَمر نے عرب میں بت پرستی کی داغ بیل ڈال دی۔ وہ ایک مرتبہ ملک شام گیا اور وہاں اس کی دین حق سے ناآشنائی کی وجہ سے بدبختی نے اسے گھیر

لیا۔ اور وہ بت پرستی کی لعنت سے مرعوب ہوگیا اور واپسی پر ہبل (Hubble) نامی ایک بت اپنے ساتھ لے آیا۔ اور اس طرح سے عرب میں بت پرستی کی ابتدا اور دینِ حق کا خاتمہ ہوگیا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اہل اسماعیل میں صلوٰۃ مروج تھی۔ جیسا کہ قرآن الحکیم کی سورہ مریم (۱۹) کی آیت (۵۵۔۵۴) میں فرمایا گیا کہ:

''اور ذکر کر کتاب میں اسماعیل کا، وہ وعدہ کا سچا تھا، رسول اور نبی، اور حکم کرتا تھا اپنے گھر والوں کو صلوٰۃ کا اور زکوٰۃ کا اور وہ تھا اپنے رب کے پاس پسندیدہ''۔

(iv) صلوٰۃ قوم مسیحؑ

یہ نہایت افسوسناک بات ہے کہ اہل یہود نے صلوٰۃ کی شکل بدل دی تھی، یعنی صلوٰۃ کے قیام، رکوع اور سجود کو تسلسل کے ساتھ ادا کرنا چھوڑ دیا اور اب وہ زیادہ تر کھڑے ہو کر گر یا کرتے ہیں، اور دعائیں کرتے ہیں۔ یہ لوگ جس دین پر قائم کیے گئے تھے وہ دینِ ابراہیمی تھا۔ لہٰذا ان کے دین کی وقتاً فوقتاً ترویج کے لیے مسلسل انبیاء اکرام آتے رہے۔ جن میں چیدہ چیدہ جناب یوسفؑ، ادریسؑ، یونسؑ، سلیمانؑ، داؤدؑ، ذکریاؑ، موسیٰؑ وغیرہ تھے۔ ان تمام پیغمبروں میں سے جناب موسیٰؑ دینِ ابراہیم میں چند ترمیمات کے ساتھ نئی شریعت یعنی دینی قوانین لے کر آئے اور اس شریعت کا انعقاد جناب محمدؐ کی شریعت تک جاری رہا۔ جناب موسیٰؑ پر اللہ تعالیٰ نے توریت نازل فرمائی، ان کے بعد داؤدؑ پر زبور نازل فرمائی جو شریعت کی نہیں بلکہ حمد وثناء اور دعاؤں کی کتاب تھی۔ اس کے بعد جب قومِ یہود میں بدعات نے زور پکڑا تو اللہ تعالیٰ نے جناب عیسیٰؑ کی معجزاتی پیدائش فرمائی، انہیں نبی بنایا اور ان پر بھی کتاب انجیل نازل فرمائی۔ یہ بھی کوئی شریعت کی کتاب نہ تھی بلکہ زبور کی طرح دعائیہ اور حمدیہ کتاب ہے۔ لیکن قرآن کے آنے تک ان کی شرعی کتاب توریت ہی تھی۔

یہودی چونکہ اصل راہ سے بھٹک چکے تھے، انہوں نے جناب عیسیٰؑ کو ناگواری سے دیکھا۔ لیکن وہاں ہنوز دین موسوی پر قائم لوگ موجود تھے جو نبی کریم محمدؐ کی آمد تک موجود تھے، اور انہوں نے راہبانہ طریقہ اختیار کر لیا تھا۔ یہودی جناب عیسیٰؑ کو راستے سے ہٹا کر عیسائیت کے بھی چوہدری بن گئے۔ مثال کے طور پر بظاہر عیسائی رہنما جو حقیقت میں یہودی ہی تھے یعنی

پال (Paul) اور پیٹر (Peter) جو پہلے تو ولی اللہ کہلائے، لیکن اس کے بعد میں انہوں نے اللہ کے راز دان ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ یہ ساری شرارت توریت کی شریعت سے منہ موڑنے کے لیے کی گئی معلوم ہوتی ہے۔ حالانکہ عیسائیوں کا بنیادی عقیدہ دو الہامی کتابوں سے اخذ کیا گیا ہے اور وہ ان کتابوں کو تسلیم بھی کرتے ہیں۔ وہ توریت کو Old Testament اور انجیل کو New Testament کہتے ہیں۔ پھر انہوں نے دونوں کتابوں کو ملا کر بائبل (Bible) کا نام دے دیا۔ اب نہ رہی توریت اور نہ رہی انجیل، کیونکہ یہ دونوں کتابیں تو اصل میں لاطینی (Hebrew) زبان میں نازل ہوئی تھیں۔ اب یہ دونوں اصل کتابیں نہ جانے کہاں چلی گئیں، شاید ان کی کاپیاں لندن کے عجائب گھر میں ہوں۔ لہٰذا اب بائبل کی تشکیل نو اس طرح ہوئی کہ عیسائیوں کے مختلف فرقوں نے اس کے مختلف تراجم کر لیے، اپنی اپنی زبانوں میں اور اس طرح سے اصل کتابیں ترامیم کی نظر ہوگئیں۔

یہ تمام تفصیل جو نہایت مختصر طور پر پیش کی گئی ہے اور بے شک مضمون صلوٰۃ سے ہٹ کر ہے، اس کے بیان کرنے کا مقصد یہ تھا کہ معلوم ہو جائے کہ اسرائیلیوں اور عیسائیوں نے صلوٰۃ ابراہیمی کی اصل حیثیت کو کس طرح سے بدل کر رکھ دیا۔ اب ان کے ہاں اقامت الصلوٰۃ ختم ہوگئی۔ اور صلوٰۃ کی حیثیت محض دعاؤں میں بدل کر رہ گئی۔ اس طرح سے اب مسیحیوں میں صلوٰۃ کے مختلف سلسلے رواج پا گئے ہیں اور وہ بھی دعائیہ انداز میں اور ان کی اپنی اپنی زبانوں میں۔ کچھ لوگ کھڑے ہو کر اور کچھ لوگ جھک کر دعائیہ گانے گاتے ہیں۔ بہرحال عیسائیوں کے فرقوں نے اپنی اپنی دعائیں بنالی ہیں۔ عیسائی جناب عیسیٰؑ کے متعلق یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اسی طرح سے دعائیں مانگتے تھے، لیکن کسی ویرانے میں جا کر۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اسی عقیدے کی بنیاد پر ان کے ہاں رہبانیت کی داغ بیل پڑی۔

ایک خاص بات ان کی دعاؤں میں یہ بھی ملتی ہے کہ وہ فوت شدہ اولیاء سے دعائیں کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کے ذریعہ سے ان کی دعائیں قبولیت پاتی ہیں۔ افسوس صد افسوس کہ نام نہاد مسلمانوں نے بھی یہی رویہ اختیار کر لیا ہے اور اس طرح سے زیادہ تر مسلمان کہلانے والے لوگ بھی شرک میں مبتلا ہوگئے ہیں۔

قرآن الحکیم میں کافی آیات ایسی ہیں جو اللہ سے سفارش کے عقیدے کی نفی کرتی ہیں۔ اس بارے میں چند آیاتِ حکیمانہ درج ذیل کی جارہی ہیں:

آیت (۸۷) سورۃ مریم (۱۹) میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''کسی کو اختیار نہیں دیا گیا سفارش کا، لیکن جس نے لے لیا ہے رحمٰن سے وعدہ''۔

اس بارے میں جناب رسول کریمؐ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے، مقامِ محمود کا، جب قیامت کے روز اللہ تعالیٰ صرف اپنے رسول نبی رحمت کو سفارش کا حق عطا فرمائیں گے۔

اس کے علاوہ سورۃ انعام (۶) کی آیت (۹۴) میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''اور تم ہمارے پاس آ گئے اکیلے اکیلے، جیسا کہ ہم نے پیدا کیا تھا تم کو پہلی بار۔ اور چھوڑ آئے تم جو مال واسباب ہم نے تم کو دیا تھا اپنے پیچھے۔ اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ سفارش والوں کو جن کو تم بتلایا کرتے تھے اللہ کا شریک، اب تمہارے اور ان کے تمام رشتے ٹوٹ چکے ہیں اور وہ وعدے بھی ختم ہو گئے، جن کا تم دعویٰ کیا کرتے تھے''۔

(v) قرآنی حوالے سے حقیقتِ صلوٰۃ مسیحؑ

جب اللہ تعالیٰ نے سیدہ مریمؑ کو منتخب کیا کہ وہ ان کے بطن سے بغیر باپ کے جنم دے، اپنے پیغمبر عیسیٰؑ کو، اور عیسیٰؑ پیدا ہو گئے تو لوگوں نے سیدہ مریمؑ سے شک وشبہات اور غصے کی وجہ سے سوالات کی بوچھاڑ کر دی، تو انہوں نے ان کی باتوں کا جواب دینے کے بجائے اپنی گود میں پڑے بچے جناب عیسیٰؑ کی طرف اشارہ کیا (کہ اس سے پوچھ لو؟)

اسی بات کو قرآن الحکیم کی سورۃ مریم (۱۹) کی آیت (۳۱۔۲۹) میں بیان کیا گیا ہے کہ:

''جب اشارہ کیا (مریم نے) اس (بچے) کی طرف تو وہ (سوال کرنے والے) کہنے لگے کہ ہم اس بچے سے کیا بات کریں (کہ وہ ہمیں کیونکر کچھ بتا سکے گا) اس پر (وہ بچہ) بولا! میں بندہ ہوں اللہ کا، مجھ کو اس نے کتاب دی اور مجھ کو اس نے نبی کیا''۔

یہ کمال کا عجیب وغریب معجزہ تھا کہ جناب عیسیٰؑ نے اپنی مائؑ کی گود میں ہی اللہ کے غلام ہونے کا اعلان کیا، اور ساتھ ہی اپنی نبوت کا دعویٰ بھی کر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں الہامی کتاب بھی عطا فرما دی۔

اس کے بعد جناب عیسیٰؑ نے فرمایا کہ:

''کہ بنایا مجھ کو برکت والا، جس جگہ میں آیا ہوں اور تاکید کی مجھ کو صلوٰۃ کی اور زکوٰۃ کی، جب تک کہ میں زندہ رہوں''۔

یعنی انہوں نے اپنی آئندہ قوم یعنی عیسائیوں کو یہ بھی بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اقامتِ الصلوٰۃ اور زکوٰۃ کا پابند کیا ہے۔ لیکن افسوس! کہ ان کی قوم نے ان دونوں بنیادی مقاصد سے منہ موڑ لیا، بلکہ اسے قطعی طور پر نظر انداز کر دیا، اور اپنے دین سے بالکل خارج کر دیا۔ لیکن اس سے بھی بُری بات جو انہوں نے اپنے مذہب میں داخل کی وہ یہ کہ انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرائے۔ اور اسی پر اپنے دین کی بنیاد رکھ دی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب سیدہ مریمؑ کو فرشتوں نے یہ خبر دی کہ اللہ نے انہیں تمام جہاں کی عورتوں پر فوقیت عطا فرمائی اور انہیں منتخب فرمایا کہ وہ ماں بن جائیں، جناب مسیحؑ کی، بغیر کسی باپ کے۔ اس طرح سے انہیں ماں کا اعلیٰ درجہ بھی مل گیا اور ان کی پاک دامنی بھی برقرار رہی۔ چنانچہ یہ خبر سننے کے بعد وہ ششدر اور حیران ہو گئیں، کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ان کی اس حیرانگی پر اللہ تعالیٰ نے یہ تو نہیں فرمایا کہ میں خالق اور مالک ہوں ہر شے کا اور تمہارے باپ آدمؑ کو بھی تو میں نے پیدا کیا ہے، بغیر ماں اور باپ کے، اور پھر تمہاری ماں سیدہ حواؑ کو بھی تو میں نے پیدا کیا بغیر ماں کے، تو پھر اگر میں عیسیٰؑ کو باپ کے بغیر پیدا کر دوں گا تو اس میں حیرانگی کیسی؟ بلکہ اللہ نے یہ فرمایا کہ:

''اے مریم! بندگی کرو اپنے رب کی اور سجدہ کرو، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو''۔ (سورۃ آل عمران: ۴۳)

یعنی سیّدہ مریمؑ کو اقامت الصلوٰۃ کا حکم دیا، یہ فرماتے ہوئے کہ بس تم میرا حکم مانتی رہو اور میری بندگی کرتی رہو، رکوع اور سجود کے ساتھ اس کے بعد تمہیں ہر بات کا علم ہو جائے گا، جو بھی تم جاننا چاہتی ہو۔

باب سوم

۱۔ تاریخ صلوٰۃ نبی آخرالزماںؐ

(i) تعارف صلوٰۃ

اس کتاب کے شروع میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ صلوٰۃ کا مطلب اظہارِ بندگی ہے۔ اور یہ اظہارِ بندگی ہر روز پانچ مرتبہ تسلسل کے ساتھ زندگی بھر کرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ سے بندگی کا رشتہ جوڑنے کے لیے اور اسے راضی رکھنے کے لیے۔ اب اس حکم اور اس رشتے کو مزید سمجھنے کے لیے اقامتِ الصلوٰۃ کا سمجھنا بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اگر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اقامتِ الصلوٰۃ کے دو حصے ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ انسان اپنی تمام زندگی میں تسلسل کے ساتھ حمد وثناء کا ذکر جاری رکھے اور اس کے ساتھ زندگی کے ہر معاملے اللہ تعالیٰ کی مکمل تابعداری کرے۔ جبکہ دوسرا حصہ یہ ہوگا کہ انسان پوری زندگی تسلسل کے ساتھ اپنے ایمان کی تجدید کرتا رہے، خاص طور پر دن میں پانچ مرتبہ حالت قیام، رکوع، اور سجود میں آکر۔ یہی اقامتِ الصلوٰۃ ہے اور یہی شرط ہے ایمانِ کامل کی اور یہی شرط ہے مسلمان کہلانے کی۔

یہ یاد رکھنا بہت ضروری ہے کہ مسلمان کہلانے اور مسلمان بننے میں بہت فرق ہے۔ مسلمان کہلانا تو بہت آسان ہے اور ہر کوئی کہلا سکتا ہے۔ لیکن مسلمان بننا بہت مشکل کام ہے۔ کیونکہ مسلمان کہلانے کے بعد جو شخص اسلام کو سمجھ لیتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی غلامی کا جوا یعنی طوق اپنے گلے میں ڈال لیتا ہے، محبت کے ساتھ۔ اور اس طوق کی لگام اللہ اور رسول کے حوالے کر دیتا ہے۔ یعنی اُن احکامات کی مکمل تکمیل کرتا ہے اور یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی ضروری ہے کہ مسلمان کا مطلب یہی ہے کہ مسلمان کہلانے والا شخص اپنا جسم وجان خوشی کے ساتھ اللہ کے حوالے کر دے۔ عملی طور پر بھی اور زبانی اور جسمانی بندگی کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور اپنی بندگی کا اظہار اور اقرار کرتا رہے اور یہی تجدیدِ ایمان ہے، جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء (۴) کی آیت (۱۳۶) میں دیا ہے۔

لہٰذا ایسے شخص میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا شائبہ تک نہیں رہتا۔

اقرار بندگی چونکہ نہایت مشکل کام ہے اِسی لیے جناب شیخ اقبالؒ نے اس بارے میں فرمایا:

چُوں مَی گویَم مُسلمانم بلرزم
کہ دَانم مشکلاتِ لا الٰہ را

(ii) تاریخ صلوٰۃ

موجودہ پانچ وقت کی صلوٰۃ تو اس وقت فرض ہوئی تھی کہ جب جناب رسول اکرمؐ معراج پر بلائے گئے تھے۔ لیکن قبل ازیں صلوٰۃ صرف دو وقت کے لیے ہی ہوتی تھی۔ اور ہر صلوٰۃ میں صرف دو رکعتیں ہوتی تھیں۔ جیسا کہ قرآن الحکیم کی سورۃ المومن (۴۰) کی آیت (۵۵) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''پس صبر کرو (اے محمدؐ) اللہ کا وعدہ سچا ہے اور تم معافی مانگو اپنی غلطیوں کی اور تسبیح کرو اپنے رب کی حمد کے ساتھ 'عَاشِی' کے وقت اور 'اِبکار' کے وقت'' یعنی صبح اور شام کے وقت''۔

اس آیت کریمہ میں جناب رسول کریمؐ کو صبر کی تلقین کی گئی ہے، کیونکہ وہ ابتدائی دور تھا اسلام کا، اور نزولِ وحی کے بعد چند احباب ہی حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے اور آپؐ کو شدید مخالفت کا سامنا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ جناب نبی کریمؐ اہل مکہ کی شدید مخالفت کی وجہ سے کبھی مایوس ہوئے ہوں اور شاید ناامیدی کی جھلک محسوس ہوئی ہو، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریمؐ کو دو باتوں کی تلقین فرمائی۔ ایک تو صبر کرنے کی اور فرمادیا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے وہ آپؐ کو دعوت حق دینے میں کامیابی عطا فرمائے گا۔ اور دوسری بات کہ ناامید ہونے کی معافی طلب کرو، کیونکہ انہیں اور کسی بھی مومن کو اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا چاہیے۔ اور تیسرا مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ نے امتِ محمدؐ کو بھی یہ باور کیا ہے کہ جب اللہ اپنے رسول کو جو سوتے، جاگتے اپنے مالک کی تابعداری اختیار کرنے اور اسے صبر اور معافی کی تلقین فرما رہا ہے تو اس رسول کی امت کو بھی یہ آگاہی رہنی چاہیے کہ وہ جب غلطی کرے یعنی اس سے غلطی کا ارتکاب ہوجائے تو فوری طور پر اللہ کے حضور معافی کا خواستگار ہوجائے۔ اور جب کسی تکلیف میں مبتلا ہو تو صبر کا مظاہرہ کرے۔ ایک اور جگہ قرآن حکیم کی سورہ بقرہ کی آیت (۱۵۳) میں آیا ہے کہ وہ صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رجوع کرے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کئی بار اپنے رسول کو یہ بشارت فرمائی کہ

اللہ نے اپنے رسول کے گزشتہ اور ہونے والے تمام گناہ معاف فرما دیے ہیں، اس کے باوجود بھی جناب رسول کریمؐ روزانہ اپنے رب سے (۷۰) مرتبہ معافی کے طلبگار رہتے تھے۔

صحیح بخاری کی ایک روایت ابو ہریرہؓ کی آئی ہے، کہ انہوں نے فرمایا کہ انہوں نے سنا ہے جناب رسول کریمؐ کو فرماتے ہوئے کہ:

''اللہ کی قسم! میں اللہ تعالیٰ کی طرف ۷۰ مرتبہ رجوع کرتا ہوں، ایک روز میں اپنی معافی کے لیے''۔

اس مضمون میں دو الفاظ وقت صلوٰۃ کے ضمن میں جو آئے ہیں یعنی عاشی اور ابکار ان کی تشریح بھی بیان کرنا ضروری سمجھا گیا ہے۔ ان میں 'عاشی' کا مطلب بتایا گیا ہے کہ زوال آفتاب کے بعد سے غروب آفتاب تک کا وقت، جس سے عصر کا مطلب لیا گیا ہے۔ جبکہ 'ابکار'' کا مطلب بتایا گیا ہے طلوع آفتاب سے قبل از زوال آفتاب۔ اس کا مطلب صبح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کہیں ان کے مطالب صبح وشام ہیں اور کہیں فجر اور مغرب لیے گئے ہیں۔ بہرحال شروع میں صلوٰۃ انہی دو وقتوں میں ادا کی جاتی تھی اور ہر صلوٰۃ دو رکعت کی ہوتی تھی۔ اس سلسلے میں بخاری کی کتاب الصلوٰۃ میں ایک روایت سیّدہ عائشہ ام المومنین کی طرف سے بیان کی گئی ہے کہ:

''فرمایا ام المومنین سیدہ عائشہؓ نے کہ جب اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ کا حکم دیا تو اس وقت ہر صلوٰۃ میں صرف دو رکعت ہوتی تھیں، حالت قیام میں اور حالت سفر میں بھی۔ لیکن بعد میں مقیم لوگوں کے لیے تعداد بڑھا دی گئی''۔

(iii) اوقاتِ صلوٰۃ

جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ جب عالیجنات محمدؐ صاحبِ الہام ونبوت ہوئے، ۶۰۹ء میں تو اس کے کچھ عرصہ بعد صبح وشام صلوٰۃ ادا کرنے کا حکم ہوا جو آپؐ کے شرف معراج تک رہا، (۶۲۱ء تک) یعنی تقریباً گیارہ برس تک۔ اس کے بعد دوران معراج اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آپؐ کی امت اب پانچ مرتبہ صلوٰۃ ادا کرے گی۔ جبکہ بعد از معراج کچھ عرصہ بعد ایک اور حکم صادر ہوا اور ایک اور صلوٰۃ فرض کر دی گئی، یعنی صلوٰۃ التہجد جو بعد میں سنت مؤکدہ کی صورت اختیار کر گئی۔ اوقات صلوٰۃ کی اس تمہید کے بعد اصل مضمون کی طرف توجہ کرتے ہیں۔

قرآن حکیم کی سورۃ النساء (۴) کی آیت (۱۰۳) میں حکم صادر ہوا کہ:

''جب تم صلوٰۃ پوری کر چکو تو یاد کرو اللہ کو، کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر، لیکن جب تم اطمینان سے ہو کسی خطرے کے بغیر تو قائم کرو صلوٰۃ، بے شک صلوٰۃ مقرر کر دی گئی ہے، ایمان والوں پر مقررہ اوقات میں''۔

اوقاتِ صلوٰۃ کے ضمن میں صحیح بخاری کی ایک حدیث مبارکہ پیش کی جاتی ہے کہ فرمایا عبداللہ بن مسلمہ نے کہ بیان کیا مالک نے کہ ابن شہاب نے بیان کیا کہ ایک روز عمر بن عبدالعزیزؒ نے صلوٰۃ کے لیے دیر کر دی۔ تو عروہ بن زبیر ان کے پاس گئے اور کہا کہ ایک مرتبہ عراق میں مغیرہ بن شعبہ نے صلوٰۃ میں دیر کر دی تو ابو مسعود انصاریؓ ان کے پاس گئے اور کہا:

''اے مغیرہ! یہ کیا ہے؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ ایک مرتبہ جناب جبرائیلؑ آئے اور صلوٰۃ ادا کی (فجر کی) اور اللہ کے نبیؐ نے بھی صلوٰۃ ادا کی۔ پھر انہوں (جبرائیلؑ) نے پڑھی صلوٰۃ (ظہر کی) اور اسی طرح اللہ کے رسولؐ نے بھی کیا۔ پھر پڑھی انہوں (جبرائیل) نے صلوٰۃ (عصر کی) اور اللہ کے رسول نے بھی اسی طرح پڑھی۔ پھر انہوں (جبرائیلؑ) نے پڑھی صلوٰۃ (مغرب کی) اور ایسے ہی اللہ کے رسولؐ نے بھی پڑھی۔ اور پھر پڑھی (جبرائیلؑ) نے صلوٰۃ (عشاء کی) اور ایسے ہی اللہ کے نبیؐ نے بھی پڑھی''۔

''اس کے بعد جناب جبرائیلؑ نے فرمایا کہ مجھے اسی طرح سے صلوٰۃ پڑھنے کا حکم ملا تھا، تاکہ میں آپؐ کو بتا سکوں''۔ اس پر جناب عمر بن عبدالعزیز نے عروہ سے کہا کہ کیا تمہیں پورا یقین ہے جو کچھ تم نے بیان کیا ہے؟ اور کیا جبرائیلؑ نے اللہ کے رسولؐ کی امامت کی مقررہ اوقات پر۔ اس پر عروہ نے کہا کہ: بشیر بن ابی مسعود نے اسی طرح سے بیان کیا اپنے والد کا قول۔ بخاری شریف کی متذکرہ بالا حدیث کی مطابقت میں ایک اور حدیث مبارکہ جو کہ مسند احمد، سنن نسائی وسنن ترمذی میں بھی مذکور ہے، اور سورۃ النساء کی آیت (۱۰۳) کی تفصیل میں بیان کی گئی ہے۔ اس سورۃ مبارکہ میں فرمان ربی بیان کیا گیا ہے کہ: ''بے شک صلوٰۃ ایمان والوں پر فرض ہے، مقررہ وقت پر''۔

چنانچہ اس حدیث مبارکہ کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ جناب جبرائیلؑ نے عالیجنات محمدؐ کو اوقات صلوٰۃ کی تعلیم دی اور فرمایا:

''اے محمدؐ! اٹھیں اور صلوٰۃ پڑھیں (ظہر کی)''۔

چنانچہ آپؐ نے سورج کے ڈھلنے پر ظہر کی صلوٰۃ ادا کی۔

پھر (جبرائیلؑ نے) فرمایا: عصر کے وقت آ کر ''اٹھیں اور صلوٰۃ ادا کریں''۔

چنانچہ نبی کریمؐ نے جب ہر چیز کا سایہ اس کے مثل ہوا تو عصر کی صلوٰۃ ادا کی۔

پھر مغرب کے وقت آ کر (جبرائیلؑ نے) فرمایا: ''اٹھیں اور صلوٰۃ ادا کریں''۔

چنانچہ آپؐ نے سورج کے غروب ہونے پر صلوٰۃ مغرب ادا کی۔

پھر عشاء کے وقت آ کر (جبرائیلؑ نے) فرمایا: ''اٹھیں اور صلوٰۃ ادا کریں''۔

چنانچہ آپؐ نے شام کی سرخی غائب ہونے پر عشاء کی صلوٰۃ ادا کی۔

پھر (جبرائیلؑ) صبح صادق کے وقت آئے۔ اس کے بعد ظہر کے وقت آئے اور فرمایا:

''اٹھیں اور صلوٰۃ ادا کریں''

چنانچہ آپؐ نے جب ہر شے کا سایہ اس کے مثل ہوا، صلوٰۃ ظہر ادا کی۔

پھر عصر کے وقت آئے اور صلوٰۃ کے لیے کہا (جبرائیلؑ نے)۔

چنانچہ جب ہر شے کا سایہ اس کے دو مثل ہوا یعنی دوگنا، تو آپؐ نے صلوٰۃ عصر ادا کی۔

پھر مغرب کے لیے آئے پہلے دن کے وقت پر اور پھر آدھی رات یا ایک تہائی رات ہونے پر آئے (جبرائیلؑ) اور آپؐ نے صلوٰۃ ادا کی عشاء کی۔

اور پھر اچھی طرح روشنی ہونے پر صبح کو آئے (جبرائیلؑ) اور ادا کی صلوٰۃ۔ پھر اس کے بعد فرمایا جبرائیلؑ نے کہ:

''ان دو وقتوں کے درمیان اوقات ہیں (صلوٰۃ کے)''۔

اس حدیث مبارکہ کے ذریعہ سے پانچوں صلوٰۃ کے اوقات صحیح طور پر سمجھ میں آ جانے چاہئیں اور اب اوقاتِ صلوٰۃ کے بارے میں کوئی تردد باقی نہیں رہنا چاہیے۔ اس سے زیادہ تفصیل اوقات صلوٰۃ کے بارے میں اور نہیں مل سکتی۔

گویا کہ اس حدیث مبارکہ کا خلاصہ کچھ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ:

☆ صلوٰۃ الفجر کے اوقات صبح صادق سے لے کر قبل از طلوع آفتاب ہیں۔ یعنی صبح کے شروع

ہونے سے لے کر صبح کے آخر تک۔ لیکن طلوع آفتاب سے پہلے تک۔

☆ صلوٰۃ الظہر کے اوقات شروع ہوتے ہیں اس وقت جبکہ ہر شے کا سایہ اس شے کے نیچے سے کھسک جاتا ہے۔ یعنی زوال آفتاب کے بعد سے۔ اور اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ اس چیز کا سایہ اس کے برابر آ جاتا ہے۔

☆ صلوٰۃ العصر کے اوقات اس وقت شروع ہوتے ہیں جب کہ کسی شے کا سایہ اس کے مِثل ہو جائے اور اس وقت تک رہتا ہے جب اس شے کا سایہ اس سے دو مثل ہو جائے۔ لیکن غروب آفتاب سے پہلے پہلے تک پڑھ سکتے ہیں۔

☆ صلوٰۃ المغرب کا وقت سورج کے غروب ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ اور شام کی روشنی رہنے تک رہتا ہے۔

☆ صلوٰۃ العشاء کا وقت رات کا اندھیرا ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے اور آدھی رات یا ایک تہائی رات تک رہتا ہے۔

صلوٰۃ الفجر کا وقت صبح صادق سے لے کر قبل از طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ صبح یعنی صبح صادق تا طلوع آفتاب اور شام یعنی غروب آفتاب سے لے کر رات کا اندھیرا ہونے تک کے وقت کو صبح اور شام کہا جاتا ہے اور ان کا دورانیہ تقریباً (۷۰) منٹ سے لے کر (۸۴) منٹ تک ہوتا ہے۔

اب قرآن الحکیم کی چند آیات اوقات صلوٰۃ کے سلسلے میں پیش کی جاتی ہیں۔

☆ سورہ بقرہ (۲) کی آیت (۲۳۸) میں سورہ عصر کو درمیانی صلوٰۃ بتا کے اس کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اور فرمایا ہے کہ:

''حفاظت کرو اپنی نمازوں کی، خاص طور پر درمیانی صلوٰۃ کی''۔

☆ سورہ ہود (۱۱) کی آیت (۱۱۴) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اور قائم کرو صلوٰۃ دن کے دونوں حصوں میں، اور کچھ حصے رات کے میں، یقینی طور پر اچھے اعمال (یعنی اقامت الصلوٰۃ) ختم کر دیتے ہیں بُرے اعمال کو۔ یہ ایک تنبیہ ہے، ان کے لیے جو عقل رکھتے ہیں''۔

☆ سورہ اسراء (۱۷) کی آیت (۷۸) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''قائم کرو صلوٰۃ آدھے دن سے لے کر رات کے اندھیرے تک اور قرآن پڑھو علی الصبح بے شک علی الصبح قرآن کا پڑھنا ہمیشہ فرشتوں کی گواہی کا باعث بنتا ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہوا، ہمارے ساتھ جو فرشتے رہتے ہیں، ترتیب کے ساتھ دن اور رات میں تو وہ گواہی دیتے ہیں اللہ کے حضور کہ انہوں نے اس بندے کو قرآن پڑھتے دیکھا، کیونکہ فجر کے وقت ان کی باری تبدیل ہوتی ہے تو اس صورت میں جانے والے اور آنے والے فرشتے بھی اس شخص کو تلاوتِ قرآن میں مصروف پاتے ہیں اور ظاہر ہے صلوٰۃ میں بھی۔ اور یاد رہے کہ صبح کا قرآن پڑھنا صلوٰۃ الفجر میں قرآن پڑھنے کی بابت آیا ہے۔

☆ سورہ طٰہٰ (۲۰) کی آیت (۱۴) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''بے شک میں ہوں اللہ! اور میرے علاوہ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اُس کی پرستش کی جائے، پس میری ہی عبادت کرو اور قائم رکھو صلوٰۃ میری یاد کے لیے''۔

☆ سورہ احزاب (۳۳) کی آیت (۴۲۔۴۱) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کو زیادہ سے زیادہ، اور تسبیح کرو اور حمد بھی اس کی صبح کے وقت اور دوپہر کے بعد''۔

☆ سورہ روم (۳۰) کی آیت (۱۸۔۱۷) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''پس بڑائی بیان کرو، اللہ کی شام کے وقت اور پھر جب تم داخل ہو صبح کے اوقات میں''

''اور تمام تعریفیں اور شکر ہیں اسی کے لیے، زمین اور آسمانوں میں، دوپہر کے بعد اور اس وقت جب تم دیکھو کہ دن ڈھلنے جا رہا ہو''۔

ابن عباسؓ کے مطابق یہ پانچوں صلوٰۃ کے اوقات کے بارے میں ہے۔

(iv) ممنوعہ اوقات برائے صلوٰۃ

احادیثِ مبارکہ اور سنت رسول کریمؐ سے پتا چلتا ہے کہ درج ذیل اوقات میں ادائیگی صلوٰۃ منع ہے۔

۱) فجر کی صلوٰۃ کی ادائیگی کے بعد سورج کے واضح طور پر طلوع ہونے کے درمیان کوئی صلوٰۃ

نفل ادا نہیں کی جا سکتی، جبکہ قبل از طلوع آفتاب فرض صلوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے۔

۲) ایسے وقت میں جب زوال آفتاب ہو یعنی اس وقت چیزوں کا سایہ اس کے قدموں تلے ہو کوئی صلوٰۃ ادا نہیں کی جا سکتی۔ نہ فرائض نہ نفل، نہ قضا۔

۳) ایسے اوقات میں جب کہ سورج غروب ہو رہا ہو اور اس کی روشنی زرد پڑ چکی ہو، کوئی صلوٰۃ ادا نہیں کی جا سکتی۔

۴) ایسے اوقات میں جب کہ سورج طلوع ہو رہا ہو، اس سے کچھ دیر قبل اور کچھ دیر بعد یعنی جب تک وہ مکمل روشن نہ ہو جائے، کوئی نماز نہیں ہو سکتی۔

۵) صلوٰۃ عصر کے بعد کوئی صلوٰۃ نہیں، غروب آفتاب تک۔

ایسے تمام اوقات میں صلوٰۃ کے ممنوع ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مشرکوں کی پوجا کے اوقات ہیں، جب وہ سورج کی پوجا کرتے تھے یا اب بھی کرتے ہیں۔

☆ اس ضمن میں بخاری اور مسلم دونوں میں ابن عباسؓ کی روایت نقل ہے، انہوں نے فرمایا: ''کہ چند با اعتبار لوگوں نے میری موجودگی میں گواہی دی، جن میں سب سے زیادہ با اعتبار، میری نظر میں جناب عمر تھے: انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول کریمؐ نے منع فرمایا صلوٰۃ ادا کرنے سے (صلوٰۃ) فجر کے بعد یہاں تک کہ سورج پورا روشن نہ ہو جائے۔ اور (صلوٰۃ) عصر کے بعد یہاں تک کہ سورج پورا غروب ہو جائے''۔

اُسی طرح بخاری میں جناب ابوسعید خدریؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے کہا:

''میں نے سنا ہے جناب رسول اللہؐ سے یہ فرماتے ہوئے کہ: کوئی صلوٰۃ نہیں فجر کے بعد یہاں تک کہ سورج پورے طور پر طلوع نہ ہو جائے، کوئی صلوٰۃ نہیں عصر کے بعد جب تک کہ سورج پورے طور پر غروب نہ ہو جائے''۔

☆ صحیح مسلم سے جناب عقبہ ابن عامر جُہانیؓ سے روایت ہے کہ تین ایسے اوقات ہیں جن میں جناب نبی کریمؐ نے منع فرمایا ہے، صلوٰۃ ادا کرنے سے اور میتوں کو دفن کرنے سے۔ جب سورج طلوع ہونا شروع ہو اور مکمل طور پر طلوع نہ ہو جائے۔ جب وہ بالکل ہمارے سروں پر آ جائے دن کے درمیان یہاں تک کہ وہ ڈھلنا شروع ہو جائے اپنی بلندی سے۔ اور جب

سورج غروب کی طرف آئے اور مکمل طور پر غروب نہ ہو جائے۔

☆ بخاری اور مسلم میں یہ بھی فرمانِ مبارک ہے، جناب نبی کریمؐ کا کہ جب کوئی صلوٰۃ ادا کرنا بھول جائے تو پڑھ لے جب اسے یاد آئے۔ یہ قضا صلوٰۃ کے لیے حکم معلوم ہوتا ہے۔

ایک خاص بات یہ دیکھنے میں آئی ہے کہ اکثر لوگ جب فجر کی اقامت کے بعد جماعت کھڑی ہو جاتی ہے تو وہ جلدی میں آ کر پہلے سنتیں ادا کر لیتے ہیں اور پھر بعد میں جماعت میں شامل ہو جاتے ہیں۔ یہ بات بالکل ناپسندیدہ ہے۔ انہیں فوراً جماعت میں شامل ہونا چاہیے اور وہ بعد میں قضا سنت نفل ادا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ مسند احمد اور مسلم کی روایت کے مطابق جناب ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول کریمؐ نے فرمایا: کہ جب اقامت کہہ دی جائے تو کوئی صلوٰۃ جائز نہیں، سوائے فرض کے جس کے لیے اقامت کہی گئی ہے''۔

۲۔ تسبیح وذکر اللہ

فطری طور پر دنیا اور آسمانوں کی ہر شے، ہر مخلوق اللہ تعالیٰ کے ذکر کی تسبیح کرتی ہے۔ لیکن اولادِ آدم کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے دیگر تمام مخلوقات پر برتری عطا فرمائی ہے، لہٰذا تمام انسانوں پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح کے بیان کے معاملے میں بھی دوسری تمام مخلوقات کی نسبت اعلیٰ وعرفہ ہوں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انسان پر ذکر وتسبیح لازم کرنے کے ساتھ دیگر اور بھی ذمہ داریاں سونپی ہیں، جو اللہ کی تابعداری کے سلسلے میں ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ انسان کی تسبیح وذکر کی قدردانی بھی بے انتہا فرماتا ہے۔ ایسی قدردانی کہ جو عام انسانوں کے گمان میں بھی نہیں آ سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قدردانی انسان کی قدر ومنزلت اور درجات کی بلندی کا باعث بنتی ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ کی آیت (۱۵۲) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''پس مجھے یاد کرو، میں تمہیں یاد کروں گا۔ اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور کبھی بھی میری ناشکری نہ کرنا''۔ اس آیت مبارکہ کی تفسیر کی یہاں گنجائش نہیں، لیکن عقلمند کے لیے اشارہ کافی ہے اور اللہ کا بندہ اس عزت پر ناز کرے کہ جب وہ اللہ کا ذکر کرتا ہے تو اللہ جل شانہٗ بھی اس کو یاد فرماتا ہے۔ یوں سمجھیے کہ اگر بڑی عظمت وشان والا اللہ جو بے نیاز ہے، مجھ جیسے ذلیل اور کمترین بندے کو

اچھائی میں یاد کرے تو اسے اور کیا چاہیے؟ تمام دنیا اور کائنات کی دولت اس انعام کے آگے ہیچ ہے۔ سبحان اللہ، اللہ واقعی بے نیاز، بے حد سخی اور نہایت فضل وکرم کرنے والا مہربان ہے۔

اس لیے اہل اسلام سے میری یہ گزارش ہے کہ جب بھی کوئی مشکل پیش آئے اور کوئی حاجت پیش نظر ہو تو اپنی حاجت روائی کے لیے فقط اللہ کی تسبیح کرتے ہوئے اس کا شکر بجا لائے۔ انشاء اللہ، اللہ تعالیٰ کا پیمانۂ محبت لبریز ہو جائے گا اور وہ آپ کی حاجت روائی فرمائے گا۔ آپ جتنا بھی زیادہ اس کا شکر ادا کریں گے وہ اتنا ہی زیادہ آپ سے خوش ہو کر راضی ہو جائے گا اور یاد رکھیں، کبھی بھول کر بھی اللہ سے کوئی شکوہ شکایت نہ کرنا۔ کیونکہ یہ اللہ کی ناشکری میں شامل ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو کسی صورت بھی پسند نہیں فرماتے، اور یہ کلمات اس کی ناراضی کا باعث بنتے ہیں۔

☆ سورہ آل عمران (۳) کی آیت (۱۹۱) میں ارشاد رب کریم ہوا ہے کہ:

''وہ جو ذکر کرتے ہیں اللہ کا کھڑے ہو کر، بیٹھے ہوئے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہوئے، اور تفکر کرتے ہیں اور غور کرتے ہیں اللہ کی مخلوق کے متعلق، (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب! آپ نے یہ سب کچھ پیدا نہیں کیا بغیر کسی مقصد کے، پاک ہے ذات آپ کی، ہمیں آگ کے عذاب سے بچا''۔ (آمین)

☆ سورہ الاعراف (۷) کی آیت (۲۰۵) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اور ذکر کرو اپنے رب کا اپنی ذات میں (دل میں) عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ، آہستہ الفاظ میں صبح کے اوقات میں، اور دوپہر کے اوقات میں، اور ان لوگوں میں سے نہ ہو جانا، جو لاپرواہ اور غافل ہیں (اللہ کے احکامات سے)''۔

☆ سورہ الرعد (۱۳) کی آیت (۲۸) میں فرمان ربی ہے کہ:

''جو لوگ ایمان والے ہیں، اور جن کے قلوب اطمینان پاتے ہیں اللہ کے ذکر سے۔ بے شک! اللہ کے ذکر سے قلوب کو اطمینان ملتا ہے''۔

☆ سورہ نور (۲۴) کی آیت (۳۷۔۳۶) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''گھروں میں (اللہ کے) جنہیں اللہ نے بنانے کا حکم دیا ہے، ان میں اس (اللہ) کے

نام کی تسبیح کی جاتی ہے، اور ان میں اس (اللہ) کی شان بیان کی جاتی ہے صبح کے اوقات اور شام کے اوقات میں۔ (اور) ایسے شخص جنہیں خرید وفروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی اور نہ ہی اقامت الصلوٰۃ سے غافل کرتی ہے، اور نہ ہی زکوٰۃ دینے سے، ایسے لوگ اس دن سے خوف کھاتے ہیں کہ جب دل اور آنکھیں اُلٹ پلٹ جائیں گی، یعنی بروز قیامت''۔

۳۔ شرائط ادائیگی صلوٰۃ

ہر مسلمان عاقل اور بالغ پر فرض ہے کہ وہ ادائیگی صلوٰۃ کی مسلسل پابندی رکھے۔ کسی بھی صلوٰۃ کے رہ جانے کی قضا کی جائے کیونکہ اس کی معافی نہیں۔ یہ رکن اسلام کے ارکان میں توحید کے بعد دوسرا اہم ترین رکن ہے۔ صلوٰۃ کی ادائیگی کے لیے چھ بنیادی شرائط ہیں جو درج ذیل کی جارہی ہیں:

(i) ایمان

اس بات کی صدقِ دل کے ساتھ زبان سے اور عملی طور پر گواہی دی جائے کہ کوئی بھی ہستی کسی بھی طرح سے عبادت کے لائق نہیں، سوائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات باکمال وبابرکت کے۔ اور دوسری یہ بات کہ عالیجناب محمدؐ اللہ کے آخری رسول اور نبی ہیں اور قیامت تک کے لیے آپؐ کی رسالت اور آپ کی لائی ہوئی شریعت جاری وساری رہے گی۔ اس کے بعد صلوٰۃ کو بلوغت کے بعد تمام عمر قائم رکھے اور اللہ تعالیٰ کی مکمل تابعداری کرے۔ پھر ہر ماہِ رمضان میں روزے رکھے جب تک کہ اس کے جسم میں اس کی طاقت ہے۔ پھر ہر سال ایک مرتبہ اپنی مال و دولت میں سے مقرر کردہ شرح کے مطابق زکوٰۃ ادا کرتا رہے۔ اور زندگی میں اگر استطاعت میسر آئے تو کم ازکم ایک مرتبہ اللہ کے گھر کا حج کرے۔ یہ ایمان کی شرائط ہیں اور ایمان شرط ہے صلوٰۃ کی۔ بلکہ ایمان کا اظہار صلوٰۃ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ صحیح مسلم کی ایک حدیث کے مطابق جناب رسول کریمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ:

''صلوٰۃ کسی بھی شخص اور (اس کے) کفر کے درمیان حدِ فاصل ہے''۔

یعنی تارک الصلوٰۃ شرک اور کفر کی طرف گامزن ہو جاتا ہے اور صلوٰۃ کسی بھی شخص کے مسلمان ہونے اور اس کے ایمان کی نشانی ہے۔ بلکہ اس کے ایمان کی تصدیق کرتی ہے۔ اس

کے علاوہ بخاری ومسلم کی ایک حدیث کے مطابق عالیجناب رسول کریمؐ نے فرمایا کہ:

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے لڑائی کرتا رہوں، یہاں تک کہ وہ اس بات کا اقرار کرلیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اور وہ صلوٰۃ قائم رکھیں اور زکوٰۃ ادا کریں، جب وہ یہ کام کرلیں گے، تو انہوں نے مجھ سے اپنے خون اور مال محفوظ کرلیے''۔

(ii) عقل اور بلوغت

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی سے دانشمند ہونے کا کوئی امتحان لیا جائے۔ بس اتنا سمجھ لیا جائے کہ جو شخص گھریلو اور معاشرتی زندگی کا ادراک رکھتا ہے اور اس بات کو سمجھ لیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے نبی ہیں تو وہ عقلمند تصور ہوگا۔

اس کے بعد بلوغت کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا شناختی کارڈ بنا ہوا ہو۔ بلوغت کی عمر ہر معاشرے میں سمجھی جاسکتی ہے جو عام طور پر چودہ یا پندرہ سال ہوتی ہے۔ لیکن اس عمر میں عقل اور شعور اور تصور مالک کائنات اور تصور رسالت اور تصور صلوٰۃ صرف اسی صورت آسکے گا جبکہ بچوں کی تربیت اس کے گھر والے اور اسکول والے بچپن ہی سے کررہے ہوں گے۔ ورنہ ان کا شمار جاہلوں میں ہی ہوگا۔ لہٰذا نہایت جاہل معاشرے کے لوگ اور غیر مہذب لوگ کم ازکم بیس اکیس برس کی عمر کو پہنچ کر ہی دانش پاسکتے ہیں۔ اس لیے اہل ایمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت اور ایمان کی آگاہی کے لیے ان کے بچپن ہی میں ان سے پیار اور محبت کے ساتھ برتاؤ کرکے انہیں ان باتوں کی ترغیب دیں، اس لیے بچوں کو دینی محفلوں میں اور مسجدوں میں بچپن سے ہی لے جانا شروع کردینا چاہیے۔ یہ آگہی دینے کا فرض ماں باپ پر پھر اساتذہ پر اور پھر اسلامی ریاست کے اداروں کا ہے۔ لیکن اس میں کسی مرحلے پر بھی مار پیٹ کا عنصر شامل نہیں ہونا چاہیے۔ جیسا کہ ہمارے مدرسوں میں صدیوں سے رائج ہے۔ بصورت دیگر یہ تمام لوگ اور ادارے اس بات کے ذمہ دار ہوں گے، اگر کوئی بچہ ایمان اور صلوٰۃ سے بہرہ مند نہ ہوسکے گا تو اس کے گناہ کے ذمہ دار مذکورہ بالا تمام لوگ اور ادارے ہوں گے۔

(iii) طہارت وپاکیزگی

صلوٰۃ کی ادائیگی کے لیے شرط ہے کہ پہلے نمازی اپنے جسم کو پاک صاف کرے، اگر غسل

کی ضرورت ہو تو غسل کیا جائے ورنہ وضو کرے، اور اگر پانی میسر نہ ہو یا کسی بیماری کی وجہ سے غسل یا وضو نہیں کیا جا سکتا ہو تو تیمّم کیا جائے۔ اگر کھڑے ہو کر صلوٰۃ ادا نہیں کر سکتا تو بیٹھ کر، اگر بیٹھ کر بھی نہیں تو اپنی کروٹ پر ہی صلوٰۃ ادا کر لے۔ اس پاکیزگی میں لباس کی پاکیزگی اور جگہ کی پاکیزگی بھی شامل ہے۔ یہ تمام رعایتیں اس لیے دی گئی ہیں کہ صلوٰۃ کی معافی نہیں۔

وضو: وضو کے احکامات سورہ مائدہ (۵) کی آیت (۶) میں جبکہ تیمّم کے احکامات سورہ النساء (۴) کی آیت (۴۳) میں بیان کیے گئے ہیں۔

صحیح بخاری کے مطابق جناب رسول کریمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ:

''جب تم میں سے کوئی بے وضو ہو جائے تو بغیر وضو کیے اس کی نماز قبول نہ ہوگی''۔

قرآن الحکیم کی متذکرہ بالا آیت کے مطابق اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھوئے جائیں، چہرہ دھویا جائے اور سر کا مسح کیا جائے اور پیروں کو ٹخنوں تک دھویا جائے۔

جناب رسول کریمؐ وضو سے پہلے مسواک کرتے، پھر منہ اور ناک صاف کرتے اور پھر وضو کے دیگر ارکان پورے کرتے تھے۔ ویسے تو یہ عمل جناب رسول کریمؐ کا عام فہم ہے کہ بندہ منہ دھوئے اور ناک اور اندر سے منہ اور دانت صاف نہ کرے، یہ کیونکر ممکن ہے۔ بلکہ یہ یقینی طور پر صفائی کا ایک اہم حصہ ہے۔ یہ حدیث مبارکہ سنت کے زمرے میں نہیں آئے گی بلکہ اسے سورہ مائدہ کی آیت (۶) کی تشریح سمجھنا چاہیے، جبکہ اصل بات بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔

یہاں سر کے مسح کے بارے میں عرض کر دینا ضروری سمجھا گیا ہے کہ کچھ لوگ سر کا مسح اس طرح کرتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں گیلی کر کے سر کے بیچوں بیچ پھیر لیتے ہیں، یہ طریقہ کار سمجھ سے بالاتر ہے۔ کیونکہ اس طرح سے پورے سر کی گرد یا پسینہ تو ہرگز صاف نہیں ہوتا تو پھر مسح کا کیا مقصد ہوا۔ حالانکہ عالیجنابؐ کی حدیث مبارکہ صحیح مسلم و صحیح بخاری میں روایت کی گئی ہے کہ:

''رسول اللہؐ نے دونوں ہاتھوں کے ساتھ سر کے اگلے حصے سے مسح شروع کیا اور گُدّی تک لے گئے اور پھر واپس لے آئے''۔

وضو کے سلسلے میں ایک بات اور یاد رکھنی چاہیے کہ پانی کا اسراف نہ کیا جائے۔

تیمّم: اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب وضو کرنا ممکن نہ رہے تو اس صورت میں ایسا شخص اپنی دونوں

ہتھیلیاں زمین پر مارے، ظاہر ہے کہ زمین کی وہ جگہ صاف ہو، گندی نہ ہو اور خشک ہو۔ اس کے لیے اس جگہ مٹی ہو، ریت ہو، پتھریلی ہو یا شورزدہ سب صحیح ہے۔ زمین پر ہتھیلیاں مار کر اگر جھاڑے تو کوئی حرج نہیں اور پھر اپنے چہرے پر مَل لے۔ پھر اسی طرح سے ہاتھ کا مسح کہنیوں تک کر لے۔

مسح: اس مضمون میں سر کا مسح شامل نہیں کیونکہ اس کا بیان وضو کے ضمن میں ہو چکا ہے۔ اس مضمون میں موزوں پر مسح کا ذکر ہے۔

سنن دارقطنی و مستدرک حاکم کے مطابق جناب رسول کریمؐ نے فرمایا ہے کہ:

''اگر تم میں سے کوئی وضو کرنے کے بعد موزے پہن لے تو پھر اس کے بعد (والے وضو میں موزے اتار کر پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں) ان پر مسح کر کے نماز پڑھ لے''۔ (بخاری میں بھی ایسی ہی حدیث ہے اور مسلم میں بھی)

اس سلسلے میں صحیح مسلم میں جناب علیؓ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا:

''مسافر کے لیے (مسح کی مدت) تین دن اور تین راتیں ہیں، اور مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات ہے''۔

لیکن اگر جسم پر یا جسم کے کسی حصے پر زخم ہے یا زخم کی وجہ سے پٹی باندھی ہوئی ہے، تو پھر وضو کی شرط نہیں، ویسے ہی مسح کرنا صحیح ہوگا۔ یعنی زخم یا پٹی والی جگہ پر مسح کرنا ہوگا۔ سردی کی شدت کی وجہ سے اگر سر ننگا کرنا خطرے کا باعث ہو تو پھر پگڑی، ٹوپی یا دوپٹے یا چادر پر مسح کرنا جائز ہے۔

مسح کرنے کا طریقہ مَوزوں پر اور پٹیوں اور پگڑی یا دوپٹے پر:

اپنے ہاتھ کو تر کر کے پاؤں کے پنجے سے لگا کر پنڈلی تک لے جائے صرف اوپر کی طرف۔ اور اسی طرح دوسری چیزوں پر ہاتھ گیلا کر کے ایک طرف سے دوسری طرف لے جائے، مسح ہو جائے گا۔ یاد رہے کہ پاؤں کے نیچے مسح نہ ہوگا۔ مَوزوں کے ضمن میں ایک بات عرض کرنا بہت ضروری ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ مَوزوں کی تشریح کرتا ہے کہ موزے چمڑے کے ہونے چاہئیں اور دوسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ موزوں میں جسم کی کھال ظاہر نہیں ہونی چاہیے۔ ان دونوں باتوں کا کسی بھی حدیث میں ذکر نہیں۔ جہاں تک پتلے موزوں کا تعلق ہے اس میں ایک وجہ یہ تو سمجھ میں آتی ہے کہ ان میں سے گرد اندر نہ چلی جائے، لیکن گرد تو پاک ہوتی ہے اور اسی سے تو تیمّم بھی کیا جاتا

ہے اس لیے مَوزَوں پر وضو کی رعایت دینے کا مطلب و مقصد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پاؤں میں کسی طرح سے گندگی نہ لگ جائے۔ اس لیے مَوزہ کسی بھی قسم کا ہوسکتا ہے، جس سے پاؤں گندگی سے محفوظ رہ جائیں۔ حدیث مبارکہ میں بھی صرف موزے کا ذکر ہے، اس کی بناوٹ کا نہیں۔

(iv) صلوٰۃ ادا کرنے کا رُخ

اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کے لیے جو دنیا کے کسی بھی علاقے میں رہتا ہو یا وہ زمین کے مدار میں ہو سفر کے دوران یا حالت قیام میں، مقرر کر دیا ہے قیامت تک کے لیے نماز کا رُخ اور اس جگہ کو جس کی طرف رُخ کیا جاتا ہے، اسے قبلہ کہتے ہیں۔ اس طرح سے مسلمانوں کا قبلہ اللہ کا گھر کعبہ ہے۔ جو سب سے پرانا گھر ہے اس دنیا میں عبادت کے لیے۔ اور یہ دنیا کے عین مرکز میں واقع ہے۔ شروع شروع میں مسلمانوں کا قبلہ وہی تھا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے پہلی اقوام کے لیے مقرر کیا تھا، طوفانِ نوح کے بعد سے، وہ تھا مسجد اقصیٰ بیت المقدس میں۔ یہی قبلہ تھا، یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے جنہوں نے اپنی اصلی صلوٰۃ کو بدل کر اس کی اہمیت ہی گنوا دی، لیکن یہودی ابھی تک اپنی صلوٰۃ میں بیت المقدس کی طرف ہی رُخ کرتے ہیں، جبکہ عیسائی جس طرف مرضی رُخ کر لیتے ہیں۔ بہرحال جناب نبی کریمؐ کی خواہش تھی، جس کا اظہار آپ صرف آسمان کی طرف دیکھ کر دل ہی دل میں کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آیت (۱۴۴) میں حکم صادر فرما دیا کہ اپنا قبلہ فوراً تبدیل کر کے کعبہ کو اپنا قبلہ اختیار کر لیں اور جہاں کہیں بھی ہو اس کی طرف منہ کر کے صلوٰۃ ادا کرو۔

(v) سَتر اور لباس

اللہ تعالیٰ نے سورہ الاعراف (۷) کی آیت (۳۱) میں فرمان جاری فرمایا کہ:

''ہر صلوٰۃ کے وقت اپنے آپ کو (لباس سے) مزین کر لیا کرو''۔

یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ بوقت صلوٰۃ اللہ کا بندہ اس کے سامنے حاضری دینے کے واسطے اپنے آپ کو زینت دیا کرے۔ یعنی اچھا لباس پہنے اور خوشبو وغیرہ استعمال کرے۔ اور لباس اس طرح کا ہو کہ اس میں سَتر مکمل طور پر پوشیدہ رہے۔ اور اس میں جسم کا کوئی بھی حصہ نمایاں نہ ہو۔ ورنہ نماز نہ ہوگی۔ اکثر خواتین اور مردوں کو خاص طور پر سَتر کے بارے میں

چنداں علم نہیں ہوتا، اس لیے اس کا بیان بہت ضروری معلوم ہوتا ہے۔

سَتر کے اعتبار سے مردوں کا جسم ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہوتا ہے۔ اور جسم کے ان حصوں کا ہر حال میں خواہ نماز میں ہوں یا نہ ہوں، دوسروں سے پوشیدہ رکھنا ضروری ہے۔ نماز میں اگر کوئی شخص لباس نہیں حاصل کر سکتا تو اس کے لیے کم از کم سَتر کو پوشیدہ رکھنا ضروری ہے، عام حالات میں وہ پورا لباس زیب تن کرے۔ جیسا کہ زینت اختیار کرنے کو کہا گیا ہے۔ دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ کچھ نوجوان طبقہ مغرب سے متاثر ہو کر لمبی نیکروں کا استعمال بھی کر لیتا ہے نماز میں اور یہ وجہ بیان کرتا ہے کہ میرے گھٹنے تو نظر نہیں آتے۔ تو اس بات کے دو پہلو نکلتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہی لوگ جب اپنے کام پر جاتے ہیں یا کسی دعوت میں یا کسی بڑے ہوٹل میں تو کبھی بھی ایسے لباس میں نہیں جاتے بلکہ جا ہی نہیں سکتے۔ تو پھر ان کی غیرت کیونکر گوارا کرتی ہے کہ جب وہ اپنے مالک کے دربار میں حاضری دینے آتے ہیں تو پورا لباس زیب تن نہیں کرتے۔ یعنی وہ لباس کے اعتبار سے اللہ کے گھر اور اللہ کے حضور اپنی بندگی کے اعتبار سے لاپرواہی کا مظاہرہ کر رہے ہوتے ہیں۔ دوسری بات اس ضمن میں یہ ہے جب وہ جلسہ میں بیٹھتے ہیں تو ان کے گھٹنے ظاہر ہو رہے ہوتے ہیں، انہیں اس بات کا خیال ہونا چاہیے کہ یہ ان کا نہایت نامناسب رویہ ہے، اپنے مالک کے سامنے۔

جہاں تک خواتین کا تعلق ہے ان کے پاؤں، ہاتھ اور چہرے کے علاوہ تمام جسم سَتر ہے۔ اس کے علاوہ سنگھار اور خوشبو بھی ان کے سَتر ہی میں آئے گی۔ کیونکہ ان کے لیے مناسب نہیں سمجھا گیا کہ وہ سنگھار اور خوشبو کے ساتھ غیر محرم لوگوں سے ملیں اور مسجد میں آئیں۔ ان کے لباس کی شرط یہ بھی ہے کہ ان کے جسم کے اعضاء نمایاں نہ ہوں، خاص طور پر ان کا سینہ۔ جس کے لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ اسے پوشیدہ رکھیں اپنی چادروں سے۔ ابوداؤد میں ایک روایت درج ہے کہ فرمایا جناب رسول کریمؐ نے کہ: ''اللہ تعالیٰ بغیر اوڑھنی کے بالغ عورت کی نماز قبول نہیں فرماتا''۔ اگر خواتین کے پردے کو مثال کے طور پر بیان کرنا ہو تو یوں کہا جا سکتا ہے کہ ان کا پردہ یا سَتر بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ احرام کی حالت میں ہوتی ہیں۔

۴۔صلوٰۃ کی اہمیت اورفوائد

اس موضوع کے ضمن میں قرآن حکیم کی چند آیات مبارکہ اور عالیجناب رسول کریمؐ کے چند اقوال پیش خدمت ہیں جن میں صلوٰۃ کی اہمیت اور فوائد کے متعلق بیان کیا گیا ہے۔

☆ سورہ المومنون (۲۳) کی (۲۔۱) میں بتایا گیا ہے کہ:

''بے شک! کامیاب ہوئے وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جو ادا کرتے ہیں، اپنی صلوٰۃ خشیعت کے ساتھ، یعنی مکمل یکسوئی اور اللہ کی تابعداری کے خوف کے ساتھ''۔

☆ اسی سورہ مبارکہ کی آیت (۹) میں بتایا گیا ہے کہ:

''وہ لوگ (کامیاب ہیں) جو حفاظت کرتے ہیں (یعنی ادا کرتے ہیں صلوٰۃ تسلسل کے ساتھ) اپنی صلوٰۃ کی''۔

☆ اسی سورہ کریم کی آیات (۸تا۳) انسان کی کامیابی کے لیے شرائط بیان کررہی ہیں:

(۱) کہ وہ بیہودہ اور بیکار باتوں سے احتراز کرتے ہیں (۲) اور وہ جو زکوٰۃ ادا کرتے ہیں (۳) اور وہ جو اپنی عصمتوں کی حفاظت کرتے ہیں (۴) جو کسی بھی امانت میں خیانت نہیں کرتے (۵) اور وہ جو اپنے وعدوں کی پاسداری کرتے ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اقامت الصلوٰۃ میں یہ تمام باتیں شامل ہوتی ہیں۔ یعنی یہ نہیں ہوتا کہ صلوٰۃ ادا کرلی جائے اور دیگر بیہودگیوں کو بھی جاری رکھا جائے۔ ورنہ تو نہ ہی ان کی صلوٰۃ ہوگی اور نہ ہی ان کا ایمان کامل ہوگا اور نہ ہی انکی صلوٰۃ معاشرے میں کوئی اچھا اثر چھوڑے گی۔ لوگ جب نماز کا طعنہ دیتے ہیں تو وہ ایسے نمازیوں کی وجہ سے ہی ہوتا ہے، کیونکہ ان کی صلوٰۃ میں نہ تو خشیعت ہوتی ہے، نہ اللہ کی تابعداری اور نہی معاملات جو بیان کیے گئے ہیں، ان کی پاسداری کرتے ہیں۔

برعکس اس کے جو لوگ ان آیات مبارکہ یعنی (۹۔۱) کے مطابق اپنی صلوٰۃ ادا کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اسی سورہ کی آیات (۱۱۔۱۰) میں ایک بہت ہی اعلیٰ بشارت دی ہے۔ ایسی بشارت جس کے لیے ہر شخص حسرت آمیز دعائیں کرتا ہے۔

ان آیات کریم میں فرمایا گیا ہے، ایسے لوگوں کے بارے میں کہ:

''بے شک! یہی لوگ پائیں گے وراثت، اور وراثت پائیں گے فردوس کی، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے''۔

سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے جب ہمارے اجداد کو زمین پر اتارا تھا تو اس وقت فرمادیا تھا کہ اب تمہیں اور تمہاری اولاد کو قیامت تک کے لیے زمین پر رہنا ہوگا، اور وہاں ان کی مختلف طریقوں سے آزمائش کی جائے گی۔ پھر جو کوئی بھی اس آزمائش میں پورا اترے گا، وہ پھر اس جنت میں واپس لایا جائے گا، جہاں سے اس کے اجداد زمین پر اتارے گئے تھے۔

☆ سورہ عنکبوت (۲۹) کی آیت (۴۵) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''پڑھو (اے محمد)! اس کتاب میں جو تمہارے اوپر نازل کی گئی ہے، اور ادا کرو صلوٰۃ۔ بیشک! صلوٰۃ روکتی ہے فواحشات اور منکرات سے اور اللہ کا ذکر (جو فرشتے کرتے ہیں) بے شک زیادہ اہمیت کا حامل ہے، جو تم کرتے ہو اور اللہ جانتا ہے، جو تم کرتے ہو''۔

فواحشات اور منکرات کا ذکر قبل ازیں سورۃ مومنین کی آیات میں آچکا ہے، جبکہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو سمجھنے اور صلوٰۃ قائم کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور یہ بھی باور کردیا ہے کہ صلوٰۃ اور فواحشات ومنکرات ایک ساتھ نہیں چل سکتے، اور اگر تم فواحشات اور منکرات؛ کو نہیں چھوڑو گے، تو پھر تمہارے اس ذکر اور صلوٰۃ کی اللہ تعالیٰ کو چنداں ضرورت نہیں، کیونکہ اس سے زیادہ بہتر ذکر تو فرشتے کرتے ہیں۔

اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ اگر کسی نمازی میں نماز کی ادائیگی کے باوجود بھی برائیاں جاری رہتی ہیں تو پھر اس نمازی نے صحیح طریقے سے نماز ادا ہی نہیں کی، بلکہ یوں سمجھیے کہ اس نے صلوٰۃ ادا ہی نہیں کی۔ اس لیے نمازیوں کو اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ وہ خالص نماز ادا کریں، تمام ممنوعات اور مکروہات سے پرہیز کرتے ہوئے، تاکہ ان پر نماز کی برکات اور فیوض جاری ہوسکیں۔

☆ صحیح مسلم کے مطابق جناب رسول کریمؐ کا ارشاد مبارک ہے کہ:

''اصل دین، اسلام ہے اور صلوٰۃ اس کا ستون ہے اور جہاد فی سبیل اللہ اس کی عظمت و بلندی ہے''۔

جہاد کے بارے میں یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ اپنے نفس اور شیطان سے جنگ جہادِ

اکبر ہے، جبکہ جہادِ اصغر ہے اسلامی مملکت وریاست کو بچانے کے لیے جنگ۔

☆ صحیح مسلم کی ایک اور حدیث کے مطابق:

''ترکِ صلوٰۃ انسان اور شرک وکفر کے درمیان حدِ فاصل ہے''۔

یعنی ادائیگی صلوٰۃ گواہی ہے کسی مسلمان کے مسلمان ہونے کی جبکہ ترکِ صلوٰۃ کفر کی گواہی ہے۔

☆ صحیح مسلم کی ایک اور روایت کے مطابق فرمایا نبی کریمؐ نے کہ:

''جو کوئی مسلمان صلوٰۃ کے وقت اچھے وضو اور خشوع اور خضوع کے ساتھ صلوٰۃ کا اہتمام کرتا ہے، تو وہ صلوٰۃ اس کے پہلے گناہ (صغیرہ) کے لیے کفارہ بن جائے گی اور یہ قانون تمام عمر کے لیے ہے''۔

۵۔ ادائیگی صلوٰۃ سے لاپروائی

صلوٰۃ سے غفلت، لاپروائی اور سُستی اور پھر ترکِ صلوٰۃ بہت بڑے گناہوں میں سے ہے۔ ایسے لوگوں کے لیے بہت بڑی وعید سنائی گئی ہے۔ کیونکہ تارک الصلوٰۃ اللہ تعالیٰ کی حدود سے باہر آجاتا ہے اور نتیجتاً وہ شیطان اور برائیوں کی طرف کھنچتا چلا جاتا ہے، حتیٰ کہ جہنم اس کا ٹھکانہ بنتی ہے۔ تارکِ صلوٰۃ کا مسلمان ہونا مشکوک ہو جاتا ہے، اس لیے کہ وہ اپنی شناخت کھو دیتا ہے۔ اس سلسلے میں امام شافعیؒ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص تارک الصلوٰۃ ہو تو ایسے شخص کی صلوٰۃ الجنازہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، (کیونکہ اس کے مسلمان ہونے کی کوئی شناخت نہیں رہتی)

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے وعید سنائی ہے جو اپنی صلوٰۃ سے لاپرواہی برتتے ہیں۔ اس ضمن میں سورۃ الماعون (۱۰۷) کی آیت (۵۔۴) میں اللہ تبارک تعالیٰ نے شدید غصے کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''تُف ہے ان نمازیوں پر! جو اپنی نمازوں کی حفاظت نہیں کرتے (یعنی نمازوں کی فکر نہیں کرتے، اور بے پرواہی کے ساتھ پڑھتے ہیں یعنی کبھی پڑھ لی، کبھی چھوڑ دی اور کبھی وقت بے وقت پڑھ لی)''۔

اس لیے صلوٰۃ کے سلسلے میں نہایت احتیاط سے کام لینا ضروری ہے۔ اس میں خشوع اور

خضوع کا اہتمام اور اللہ تعالیٰ کے دوسرے احکامات کی پابندی بھی لازم ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ صلوٰۃ کی ادائیگی کے تسلسل کو کبھی منقطع نہیں ہونا چاہیے۔ اور صلوٰۃ میں کاہلی اور بیزاری کا شائبہ تک نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ یہ منافقین کی صفات میں سے ایک ہے۔ اور منافقین پر صلوٰۃ کا ادا کرنا بہت بھاری گزرتا ہے اور وہ نہایت بے دلی کے ساتھ صلوٰۃ ادا کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں سورۃ النساء (۴) کی آیت (۱۴۲) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''بے شک! منافقین اللہ کو دھوکا دیتے ہیں (یعنی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں لیکن حقیقت میں ہوتے نہیں) لیکن وہ (اللہ) ہے، جو ان کو دھوکا دیتا ہے (یعنی اللہ کو علم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان نہیں ہیں، لیکن دنیا میں وہ ان کا پردہ فاش نہیں کرتا، لیکن بروز قیامت ان کی نمازیں ان کے منہ پر مار دے گا) اور یہ لوگ جب صلوٰۃ کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، تو سستی اور کاہلی کے ساتھ (صرف اس لیے) کہ لوگ انہیں دیکھ سکیں۔ حقیقت میں وہ اللہ کا ذکر نہیں کرتے، بس تھوڑا سا (دکھاوے کے لیے)''۔

سورہ زخرف (۴۳) کی آیات (۳۷۔۳۶) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اور جو کوئی بھی رحمٰن کے ذکر (تسبیح وصلوٰۃ) سے منہ موڑے گا تو پھر ہم (اللہ) مقرر کر دیں گے ایک شیطان، جو اس کا ساتھی بن جائے گا۔ (یعنی تارک الصلوٰۃ گمراہیوں کی طرف مزید راغب ہو جائے گا، اور بے شک وہ (شیطان) ان کو روکتے رہیں گے صحیح راستے سے، جبکہ وہ یہ خیال کر رہے ہوں گے کہ وہ صحیح راستے پر ہیں''۔

عام طور پر یہ دیکھنے میں آیا ہے کہ صلوٰۃ سے غافل لوگ اپنے اس فعل کی نہایت اچھی طرح سے وکالت بھی کرتے ہیں اور پھر وہ ان لوگوں کے نقائص بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں جو پابند صلوٰۃ ہوتے ہیں۔

سورۃ الجن (۷۲) کی آیت (۱۸۔۱۷) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''تاکہ ان (لوگوں) میں سے ان کو جانچیں (آزمائش میں ڈال کر) جو اپنے رب کی یاد سے منہ موڑتے ہیں۔ وہ ڈال دے گا ان کو ایک خوفناک عذاب میں''۔

''اور مسجدیں تو صرف اللہ کی یاد کے واسطے ہیں، اس لیے مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی اور کو''۔

باب چہارم

۱۔ اقسام الصلوٰۃ الواجبہ

الصلوٰۃ واجبہ جو روزانہ ادا کرنے کے لیے فرض کی گئی ہیں ان کے متعلق اوقات الصلوٰۃ کے باب میں بتایا جاچکا ہے کہ جناب جبرئیلؑ نے جناب رسول کریمؐ کو دو روز تک ہر پانچ نمازیں اس طرح سے پڑھائیں کہ آپؐ پر تمام نمازوں کے اوقات یعنی نماز کے شروع ہونے اور ختم ہونے کے اوقات واضح کر دیئے۔ اس کو نماز کا اول وقت اور آخر وقت کہا جائے گا، اس طرح سے امت محمدیہؐ پر روزانہ پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں، یعنی:

۱) صلوٰۃ الفجر ۲ رکعتیں
۲) صلوٰۃ الظہر ۴ رکعتیں
۳) صلوٰۃ العصر ۴ رکعتیں
۴) صلوٰۃ المغرب ۳ رکعتیں
۵) صلوٰۃ العشاء ۴ رکعتیں

جو شخص اس حساب سے اپنی نمازیں ادا کرے گا، ان شاء اللہ بروز قیامت اس سے نماز کے بارے میں پوچھ گچھ نہ ہوگی۔ یہ بات اور ہے کہ مزید نفل ادا کرنے کا فاضل اجر ملتا ہے جس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

امام احمدؒ سے منقول ہے کہ سیدنا رسول اللہؐ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

''پانچ صلوٰۃ، اللہ تعالیٰ نے بندوں پر لکھ دی ہیں، جو ان کی پابندی کرتا ہے اور جو ان کی بے قدری کر کے انہیں ضائع نہیں کرتا، اس کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے داخل کرے گا جنت میں، اور جو پابندی نہیں کرتا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی وعدہ نہیں، چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو بخش دے''۔

لیکن اولادِ آدم کو اس بات پر بھروسہ کر کے نہیں بیٹھ جانا چاہیے کہ اللہ تو مہربان ہے اور وہ ہم کو

معاف کر دے گا نمازوں کے سلسلے میں، اس لیے اگر نمازیں پوری ادا نہیں کرتے تو کیا ہوا، ہمارا دل تو صاف ہے اور ہم بہت سارے دیگر اچھے کام بھی کرتے ہیں۔ یہ گمان کرنا بے شک شیطان کا بہکاوا ہوتا ہے۔ اور وہ ایسی ہی امیدوں کے سہارے بندوں کو بہکاتا ہے اور اللہ کے احکامات سے روکتا ہے۔ لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس کی صرف ایک حکم کی نافرمانی کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے دھتکار دیا ہے، اور اس کے لیے اب معافی کا کوئی دروازہ کھلا نہیں رہا، تو پھر وہ لوگ جو نماز ادا نہیں کرتے یا اس سے غفلت برتتے ہیں تو وہ کیونکر فکر نہیں کرتے کہ وہ مسلسل اللہ کے حکم کی نافرمانی میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ناراضی دور کرنے کی غرض سے توبہ کریں۔ یعنی اپنی غلطی کا ندامت کے ساتھ اقرار کریں اور اللہ سے وعدہ کریں کہ آئندہ سے وہ اپنی باقی ماندہ زندگی میں یہ گناہ نہیں دہرائیں گے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی تابعداری کرتے رہیں گے۔ اور اس کے بعد وہ اقامت الصلوٰۃ پر قائم و دائم ہو جائیں، اور اللہ تعالیٰ سے امید قوی رکھیں کہ ربِّ رحیم و کریم ان شاء اللہ انہیں ضرور معاف فرما دے گا۔

۲۔ صلوٰۃ کے فرائض

(i) نیت یا ارادۂ صلوٰۃ

صلوٰۃ کی نیت کے لیے کوئی خاص الفاظ نہیں ہیں، اور نہ ہی زبان سے کچھ کہنے کی چنداں ضرورت ہے۔ بس یہ ہونا چاہیے کہ نمازی کی نیت اور ارادہ یہ ہو کہ وہ کس وقت کی صلوٰۃ ادا کر رہا ہے، اور کیا ادا کر رہا ہے۔ فرائض یا سنن۔

اور اب وہ صلوٰۃ ادا کرنے کی جگہ کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اعلان کرے، یعنی تکبیر کہے۔ اور دونوں ہاتھ بلند کرے اپنے کانوں کے برابر لا کر ''اللہ اکبر'' پکارے۔ اب وہ شخص اپنی صلوٰۃ میں داخل ہو گیا۔ اس تکبیر کو تکبیر تحریمہ کہا جاتا ہے۔

(ii) قیام الصلوٰۃ

اللہ رب العزت نے سورہ بقرۃ (۲) کی آیت (۲۳۸) میں فرمایا کہ:

''اور اللہ کے لیے خاموش کھڑے ہو جاؤ، تابعداری کے ساتھ''۔

اس آیت کریمہ کے دو مطلب سمجھ میں آتے ہیں، ایک تو یہ کہ جب مقتدی امام کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے تو خاموشی سے امام کو سنتا ہے اور نہایت دھیمی آواز میں یعنی منہ میں ہی سورۃ فاتحہ کو دہراتا ہے، کیونکہ سورۃ فاتحہ نماز کا مغز ہے، اور جناب رسول کریم کا فرمانِ مبارک ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی صلوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

دوسرا مطلب اس آیت کریمہ کا یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اللہ کی حضوری میں صلوٰۃ کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔ لیکن اگر کھڑے رہنے کی طاقت نہیں بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے تو بیٹھ جاؤ ایسے مجبور شخص کے لیے یہی اس کا قیام ہوگا۔ اس سلسلے میں جناب نبی کریمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ:

''پڑھو صلوٰۃ کھڑے ہو کر، اگر اس کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر، اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو پھر پہلو پر لیٹ کر ہی صلوٰۃ ادا کرو''۔ (صحیح بخاری)

(iii) حالتِ قیام

صلوٰۃ کے لیے کھڑے ہونے کے بعد اپنے اپنے عقائد کے مطابق اپنے دونوں ہاتھ اپنے سینے پر باندھیں، یا ناف پر باندھیں یا نہ باندھیں، کیونکہ اس بات کے لیے وہ لوگ ذمہ دار ہیں جو کرتے ہیں یا جو اس کی تلقین کرتے ہیں۔ کیونکہ تمام تلقین کرنے والے احادیث رسول اللہؐ کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس معاملے میں اپنا فیصلہ خود کریں، بحث کی ضرورت نہیں ہے اور یہ اس لیے بھی کہ یہ معاملہ صلوٰۃ کے فرائض میں شامل نہیں۔ کیونکہ صلوٰۃ میں قیام کی حالت، یعنی صلوٰۃ کے لیے ادب کے ساتھ کھڑا ہونا ہی فرض ہے۔ ہاتھوں کا باندھنا یا نہ باندھنا فرائض میں داخل نہیں ہے اور ہر شخص کو اس بات کا فیصلہ کر لینا چاہیے کہ وہ اپنے اور ارض والسمٰوات کے خالق اور مالک کے سامنے کس طرح سے حتی الامکان عاجزی، انکساری اور انتہائی ادب کے ساتھ کھڑے ہوں۔

(iv) قیام میں تلاوت

دورانِ قیام صلوٰۃ یہ لازم ہے کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت کی جائے، ورنہ صلوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ سورہ فاتحہ کے بعد قرآن سے بھی کچھ تلاوت کر لی جائے۔ صحیح بخاری میں ارشاد رسول کریمؐ ہے کہ ''اس شخص کی صلوٰۃ نہیں جو سورہ فاتحہ کی قرأت نہیں کرتا'' اس معاملے میں کچھ اختلاف رائے ہے۔ وہ یہ کہ جب امام کے پیچھے صلوٰۃ ادا کی جا رہی ہو اور امام بلند آواز کے ساتھ سورہ

فاتحہ کی تلاوت کر رہا ہو تو ایک رائے کے مطابق مقتدی پر سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں، بلکہ وہ خاموشی کے ساتھ اسے سنتا رہے۔ لیکن اس کے برعکس دوسری رائے یہ ہے جو یقیناً قوی ہے جناب رسول کریمؐ کے قولِ مبارک کے مطابق کہ سورہ فاتحہ کی تلاوت ہر حال میں لازم ہے۔ کیونکہ متذکرہ بالا حدیث کے علاوہ صحیح مسلم اور مؤطا امام مالک میں ایک حدیث رسول کریمؐ درج ہے کہ روایت کیا جناب ابوہریرہؓ نے کہ فرمایا جناب نبی کریمؐ نے کہ:

''جو صلوٰۃ میں سورہ فاتحہ نہ پڑھے، اس کی نماز ناقص ہے، ناقص ہے، پوری نہیں''۔

اس ضمن میں جناب ابوہریرہؓ سے سوال کیا گیا کہ اگر قاری امام کے پیچھے ہو تو؟ تو انہوں نے فرمایا: ''آہستہ پڑھ لے''۔

لہٰذا زیادہ اتفاق اسی بات پر ہے کہ سورہ فاتحہ نماز میں ہر صورت پڑھی جائے۔ اس معاملے میں بھی دو رائے ہو گئیں۔ ایک رائے یہ کہ امام سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد چند منٹ توقف اختیار کرے، یعنی ٹھہر جائے تاکہ مقتدیوں کو موقع مل جائے کہ وہ سورہ فاتحہ پڑھ لیں، اور پھر امام قرآن سے تلاوت کرے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ ساتھ خاموشی کے ساتھ سورہ فاتحہ دہراتا رہے۔ یہ طریقہ یوں بھی زیادہ موزوں معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر اماموں کے متعلق علم ہی نہیں ہوتا کہ وہ مقتدیوں کو سورہ فاتحہ کی تلاوت کے لیے وقت دیں گے بھی یا نہیں۔

اس کے علاوہ جب امام آہستہ قرأت کر رہا ہو تو بھی مقتدیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے طور سورہ فاتحہ ضرور پڑھیں۔

(v) رکوع

قیام میں تلاوت کے بعد رکوع میں جانا اور اس حالت میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و پاکی بیان کرنا ہوتا ہے۔ رکوع میں جھکنے کے بعد کمر سیدھی یعنی بغیر خم کے رکھنی چاہیے اور پھر تسبیح کے اذکار کے بعد کھڑے ہو جائیں۔ کچھ لوگ رکوع کے بعد کھڑے ہونے میں نہایت بخالت سے کام لیتے ہیں، یہ معاملہ درست نہیں، بلکہ پوری طرح کھڑے ہو کر چند لمحے قیام کریں اور پھر سجدے میں جائیں۔ اس سلسلے میں صحیح بخاری میں منقول ہے کہ:

فرمایا نبی کریمؐ نے کہ ''رکوع کر، اطمینان کے ساتھ، پھر سر اٹھا اور سیدھا کھڑا ہو جا''۔

(vi) سجود

رکوع کے بعد اس سے بھی انتہائی بندگی کی حالت میں داخل ہوجانا۔ یعنی اپنی ناک اور پیشانی کو زمین پر لاکر اپنی انتہائی کمترین حالت اختیار کر کے اپنے مالک کی بندگی اختیار کرنا اور پھر اس کی تسبیح بیان کرنا۔ دراصل حالت سجدہ انتہائے بندگی کی حالت بھی ہے اور علامت بھی۔ اور صلوٰۃ کا سجدے سے پہلے تک کا حصہ دراصل اہتمامِ سجدہ ہے اور سجدہ ہی صلوٰۃ کا اصل ہے۔ اس لیے اللہ کے بندوں کو اپنے آپ کو انتہائی انکساری، بے بسی اور بے کسی کی حالت میں لاکر اپنے رب کی تسبیح بیان کر کے اسے راضی کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

اس ضمن میں صحیح بخاری میں فرمانِ رسول کریمؐ درج ہے کہ جناب رسول کریمؐ نے فرمایا کہ:

''پھر اطمینان کے ساتھ سجدہ کرو اور سر اٹھا کر اطمینان کے ساتھ بیٹھ جاؤ''۔

سورۃ حج (۲۲) کی آیت (۷۷) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''اے ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو''۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرمانِ مبارک سے پتا چلا کہ رکوع اور سجدہ صلوٰۃ میں فرض ارکان ہیں۔

(vii) جلسہ

سجدہ کرنے کا مقصد تکمیلِ عبودیت کا مظاہرہ ہے۔ جس کے بعد اطمینان سے بیٹھ جانے کو کہا گیا ہے۔ اس بیٹھنے کو جلسہ کہا جاتا ہے۔ یہاں پر بندہ اپنے مالک کے ساتھ ایک بہت بڑا عہد کرتا ہے اور پھر خاص دعائیں اپنے مالک کے حضور پیش کرتا ہے، اس کے بعد سلام کر کے اپنی صلوٰۃ سے باہر آجاتا ہے۔ اس جلسہ میں چار معاملات سامنے آتے ہیں، جن کی تفصیل پیش خدمت ہے۔

۱ بندے کا اپنے مالک سے عہدِ بندگی

جلسہ کے درمیان جو کچھ بھی پڑھا جاتا ہے اس کے متعلق جنوبی ایشیا کے لوگ عام طور پر ناواقف ہوتے ہیں کہ وہ یہ سب کچھ کیوں پڑھتے ہیں اور اس کا مطلب اور مقصد کیا ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ عربی زبان سے واقف نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لیے مناسب سمجھا گیا ہے کہ اس کی تفصیل سے آگاہ کیا جائے تاکہ مصلین کو مقصد صلوٰۃ سے مکمل آگاہی ہوجائے، اور وہ صلوٰۃ کے فیوض وبرکات حاصل کرسکیں۔

جلسہ میں بندہ اپنے مالک کے حضور یہ عہد کرتا ہے کہ اس کی ہر قسم کی عبادات خواہ وہ زبان سے ادا کی جاتی ہوں، خواہ جسمانی حرکات کے ذریعے خواہ مال کے ذریعہ یعنی خیرات اور قربانی کے ذریعہ، وہ سب کی سب صرف اللہ کی خاطر ہوتی ہیں تاکہ اس کی خوشنودی حاصل کی جائے۔ اور یہ عہد اور اقرار بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کیا جاتا ہے جو قرآن الحکیم کی سورہ الانعام (۶) کی آیت (۱۶۳-۱۶۲) میں دیا گیا ہے۔ اس کے مطابق فرمایا گیا ہے کہ:

''کہہ دو کہ بے شک میری صلوٰۃ، میری قربانی، میری زندگی اور موت اللہ ہی کے لیے ہے، جو مالک ہے تمام جہانوں کا اور ان کے پالنے والا اور اس کا کوئی شریک نہیں (کسی بھی اعتبار سے)''۔

اس لیے نمازی تشہد کے الفاظ عہد کے طور پر ادا کرتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ: ''تمام قولی عبادتیں اور بدنی عبادتیں، اور مالی عبادتیں صرف اللہ کے لیے ہیں۔ اے نبی! آپ پر سلام ہو اور رحمت اللہ کی اور برکتیں بھی۔ اور سلام ہو ہمارے اوپر اور اللہ کے نیک بندوں پر اور میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے، اور محمدؐ اللہ کے بندے یعنی غلام اور اس کے رسول ہیں''۔

اس کے بعد درود ابراہیمی اور پھر اپنے لیے، گھر والوں کے لیے، اجداد کے لیے، کل مومنین کے واسطے دعائے مغفرت کرتے ہیں اور اس کے بعد دونوں طرف سلام کر کے صلوٰۃ سے باہر آجاتے ہیں۔

اب جلسے میں جو کچھ بھی پڑھا گیا اس میں چند باتیں مزید تشریح طلب ہیں، جو عہد کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ بندہ جو عہد کرتا ہے اللہ سے، اس کا بیان تو 'جلسے' کے موضوع میں آچکا ہے۔ اب ضرورت ہے تشریح کی، اس بات کی کہ صلوٰۃ علی النبیؐ، صلوٰۃ علی المومنین، اور اپنے اوپر صلوٰۃ بھیجنا کیونکر فرض ہیں۔ اور پھر اس کے بعد تکمیل صلوٰۃ پر دائیں اور بائیں سلام کہنے کی مصلحت کیا ہے۔ اب ہم ترتیب وار ان کی وضاحت کرتے ہیں۔

۱ بندے کا اپنے آپ پر اور اللہ کے صالح بندوں پر سلام

اللہ رحیم وکریم نے سورہ الاحزاب (۳۳) کی آیت (۴۳) میں کمالِ عنایت ومحبت کی نوید سنائی ہے اپنے عام بندوں کو، جو اس کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اور یہ عجیب بات ہے کہ زیادہ تر بندوں کو اس بات کا ادراک ہی نہیں، کیونکہ انہوں نے اس بات پر غور ہی نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں فرمایا بلکہ اپنے بندے کو جتلایا کہ:

''وہی تو ہے (اللہ) جو صلوٰۃ (رحمتیں) بھیجتا ہے تمہارے اوپر، اور اس کے فرشتے بھی (یعنی وہ بھی تمہارے لیے رحمتوں کی دعا کرتے ہیں) اور یہ اس لیے کہ وہ (اللہ) تمہیں نکال لے اندھیروں (کفر وشرک کی جہالت) میں سے نور کی طرف (اللہ کی تابعداری کی طرف) (اس لیے) کہ وہ (اللہ) مومنوں پر ہمیشہ مہربان ہے''۔

اسی وجہ سے تشہد میں بندہ پہلے تو اپنی بندگی کا اقرار کرتا ہے۔ اس کے بعد اپنے نبی رحمتؐ پر سلام بھیجتا ہے، پھر ان پر رحمتوں اور برکتوں کی دعا کرتا ہے۔ اور اس کے بعد اپنے اوپر سلام بھیجتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے صالح بندوں پر سلام بھیجتا ہے۔ اور اس کے علاوہ وہ اللہ تعالیٰ کے یکتا ہونے اور اس کا مالک کل ہونے کا اقرار کرتا ہے اور گواہی دیتا ہے، ساتھ ہی جناب محمدؐ کے لیے بھی گواہی دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

۱ بندے کا نبی رحمتؐ پر صلوٰۃ وسلام

اس کے بعد دعا کا تیسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ہے، جو اس نے سورہ احزاب (۳۳) کی آیت (۵۶) میں دیا اپنے بندوں کو کہ:

''بے شک اللہ اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں ان نبی پر (یعنی محمد رسول اللہ پر) تو اے ایمان والو! تم بھی صلوٰۃ بھیجو ان پر اور سلام بھیجو جیسا کہ تم سلام کہتے ہو''۔

جب اصحابہ کرام نے اللہ کے رسولؐ سے اللہ کا یہ حکم سنا تو عرض کیا، اے اللہ کے رسولؐ ہمیں یہ تو علم ہے کہ ہم آپ کو سلام کیسے کریں، لیکن ہم آپ پر رحمت کیونکر بھیج سکتے ہیں (کیونکہ رحمت کے تو وہ خود محتاج تھے، اور رحمت کا منبع بھی صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مبارک ہی ہے اور سب مخلوق اللہ کی رحمت کی محتاج ہوتی ہے) اس سوال پر جناب نبی کریمؐ نے اپنے اصحابہ کو کچھ کلمات دعائیہ بتائے، جن کو عرف عام میں (فارسی اور اردو زبان میں) درودِ ابراہیمی کہا جاتا ہے۔ ان کلمات کے مطابق بندہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتا ہے کہ:

''اے اللہ! رحمت بھیج محمد پر اور آپ کی آل پر جیسا کہ آپ نے رحمت بھیجی ابراہیمؑ اور ان کی آل پر۔ اور برکت عطا فرما محمد پر اور ان کی آل پر، جیسا کہ آپ نے برکت فرمائی ابراہیمؑ اور ان

کی اولاد پر۔ بے شک آپ کی ذاتِ مبارک (یعنی اللہ کی) نہایت قابل تعریف اور شان والی ہے''۔

لہٰذا تشہد میں اقرار ربوبیت کے بعد اپنے اوپر اور صالحین پر سلام بھیجنے کے (یہ بھی دراصل اللہ کے حضور سلامتی کے لیے دعا ہے) بعد اللہ تعالیٰ کے نبی پر سلام بھیجتے ہیں اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ سے جناب نبی کریمؐ کے لیے سلامتی، رحمتوں اور برکتوں کی دعا کرتے ہیں اور ان کی آل کے لیے بھی یہی دعا کرتے ہیں۔

یہاں پر اس دعا میں پھر ایک بات نہایت غور طلب اور قابل تشریح ہے، وہ یہ کہ جب ہم دعا کرتے ہیں آل محمد کے لیے تو زیادہ تر لوگ اس کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ وہ لوگ جو رسول کریمؐ کی بیٹی فاطمہؓ کی اولاد میں سے ہیں، وہ آل محمد ہیں۔ لیکن یہ مطلب قرآن حکیم کی اصطلاحات کے مطابق درست نہیں۔ لہٰذا لفظ 'آل محمد' کو واضح طور پر سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس کے لیے ہمیں قرآن حکیم میں دیکھنا ہوگا کہ وہاں لفظ آل کس مطلب میں استعمال ہوا ہے۔

اول تو قرآن الحکیم میں گھر والوں کے لیے ''اہل بیت'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور قوم کے لیے لفظ قوم بھی استعمال ہوا ہے اور لفظ آل بھی۔ جیسا کہ قرآن الحکیم کی تیسری سورۃ کا نام ہے ''آل عمران''، یعنی عمران کی قوم۔ یہاں آل کا مطلب گھر والے تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ موسیٰؑ کے والد کا نام بھی عمران تھا اور سیدہ مریمؑ کے والد کا نام بھی عمران تھا۔

اب موسیٰؑ کے کسی گھر والوں کو آل کہہ کر ذکر نہیں کیا گیا، اور عمران کے گھر والوں میں تو بس تین لوگ ہی تھے ایک ان کی زوجہ محترمہ، دوسری ان کی بیٹی مریمؑ اور تیسرے ان کے نواسے عیسیٰؑ، جن کی آگے کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی۔ اور اس سورۃ مبارکہ میں تو ذکر آیا ہے آل عمران کا، آل ابراہیم کا اور آل فرعون کا۔ جہاں تک موسیٰؑ کا تعلق ہے ان کی اولاد کے بارے میں قرآن حکیم میں کوئی ذکر نہیں صرف ان کی قوم کا ذکر ہے جو ان کی پیدائش سے پہلے سے موجود تھی۔ اسی طرح عیسیٰؑ کی کوئی اولاد نہ تھی لہٰذا ان کی بھی قوم یعنی امت ہوئی اور یہی دونوں آل عمران ہیں اور انہی دونوں کو اہل کتاب کے نام سے بھی پکارا گیا ہے۔ اس کے بعد رہا فرعون تو اس کی بھی کوئی اولاد نہ تھی اور اسی واسطے اس کی زوجہ محترمہ سیّدہ آسیہؑ نے جناب موسیٰؑ کو گود لے کر ان کی پرورش کی۔ اس کے بعد پھر سورہ بقرہ کی آیت (۴۹) میں آیا کہ اللہ نے بچایا آل فرعون

سے جبکہ وہ قتل کر رہے تھے تمہارے بیٹوں کو (یعنی موسیٰ کی قوم کے بیٹوں کو) اور آیت (۵۰) میں فرمایا کہ ''غرق کر دیا آل فرعون کو''۔ اب جو لوگ (کہا جاتا ہے کہ وہ پانچ ہزار تھے) جو فرعون کے ساتھ آئے تھے وہ نہ تو اس کے گھر والے تھے اور نہ ہی رشتہ دار، وہ اس کی قوم ہی کے لوگ تھے جو اس کے ملازم تھے، یعنی لڑنے والے سپاہی۔ اس کے علاوہ سورہ ہود (۱۱) کی آیت (۹۸) میں فرعون کے بارے میں لکھا ہے کہ ''وہ چلے گا اپنی قوم کے آگے، قیامت کے روز اور ان کی راہبری کرے گا'' یہاں ان لوگوں کو قوم کہا گیا ہے، یعنی انہی لوگوں کو آل بھی کہا گیا اور قوم بھی۔ پھر سورہ طٰہٰ (۲۰) کی آیت (۷۹) میں کہا گیا کہ: ''اور فرعون نے اپنے لوگوں کو چلایا غلط راہ پر'' پھر غافر (۴۰) کی آیت (۴۶) میں کہا گیا ''کہ داخل کرو آل فرعون کو شدید عذاب میں''۔

لہٰذا جب ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے ہیں صلوٰۃ النبیؐ کے سلسلے میں تو عرض کرتے ہیں کہ: ''اے اللہ! سلامتی، رحمتیں اور برکتیں نازل فرما (جناب) محمدؐ پر اور ان کی قوم پر (آل پر)''۔ اس لفظ میں آپؐ کے گھر والے، احباب، آپؐ کے جانثار ساتھی، اور آپ کے امتی سب کے سب شامل ہو جاتے ہیں۔

یہ تمام تفصیل بتانے کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ صلوٰۃ ادا کرنے والوں کو یہ سمجھ آ جائے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، اللہ کے حضور اور اس بات کی انہیں مکمل سمجھ ہونی چاہیے۔

۱ تکمیل صلوٰۃ اور سلام

جب ہم درج بالا دعائیں اللہ تعالیٰ کی خدمت اقدس میں عرض کر لیتے ہیں تو پھر اس کے بعد خاص طور پر اپنے لیے حاجت روائی کرتے ہیں۔ اپنی، اپنے والدین، اجداد، عزیز و اقارب، اولاد اور رشتہ داروں، دوست احباب اور کل مسلمانوں کے لیے خواہ وہ زندہ ہوں یا فوت ہو گئے ہوں، دعائیں کرتے ہیں۔ اگر نہیں تو ان سب کے لیے دعائیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو دنیا میں بھی اپنی حفظ وامان میں رکھے اور آخرت میں بھی۔ اس مقصد کے لیے بہت سی دعائیں ہیں جو کی جا سکتی ہیں۔ یہاں اپنے بھائیوں اور بہنوں سے التماس ہے کہ وہ سورہ بقرہ (۲) کی آیت (۲۰۱) اور سورہ ابراہیم (۱۴) کی آیت (۴۰) اور (۴۱) میں جو دعائیں مذکور ہیں ان دعاؤں کے ذریعہ سے اپنی صلوٰۃ کا اختتام فرمائیں۔ اس کے علاوہ جو بھی

دعا کرنا چاہیں کریں۔ ایک دعا جو جناب آدمؑ نے مانگی تھی اپنی خطا پر، اور یہ دعا سب سے پہلے انسان پر اللہ تعالیٰ نے الہام کی تھی، جو جناب نبی کریمؐ پر دوبارہ الہام کی گئی یہ دعا سورہ اعراف کی آیت (۲۳) میں مذکور ہے۔ مذکورہ دعائیں درج ذیل ہیں:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ (البقرۃ:۲۰۱)

''اے رب ہمارے، دے ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور بچا ہمیں دوزخ کے عذاب سے''۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِن ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۝ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝ (ابراہیم:۴۰-۴۱)

''اے رب میرے! کر دے مجھے نماز درست رکھنے والا، اور میری نسل کو بھی، اے رب ہمارے میری دعا قبول فرما۔ اے رب ہمارے، بخشنا مجھ کو اور میرے ماں باپ کو اور تمام مومنین کو جس دن حساب قائم ہو''۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝ (الاعراف:۲۳)

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اور اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ کرے گا تو ہم نامرادوں میں سے ہو جائیں گے''۔

اب صلوٰۃ مکمل ہو چکی، اس کے بعد اپنے دائیں اور بائیں سلام کر کے صلوٰۃ سے باہر آ جائیں۔ اکثر حضرات کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے دائیں اور بائیں سلام ایک خاص انداز میں کرتے ہیں، اور اپنی گردن کو ایک خاص زاویے پر لا کر نیچے سے اوپر کی جانب گھماتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کام کو نہایت مشکل سے ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ بالکل آسان کام ہے، اپنی گردن کو معمول کے مطابق دائیں لائیں اور سلام کہیں اور پھر بائیں لے جائیں اور سلام کریں۔ دراصل حقیقت یہ ہے کہ زیادہ تر افراد کو تو یہ بھی ٹھیک سے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ سلام ہم کسے کر رہے ہیں۔ اس لیے یہ عرض کر دینا یہاں نہایت مناسب ہوگا کہ اس بات کو سمجھ لیا جائے۔

سلام دراصل ہمارے دائیں اور بائیں جو فرشتے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیے ہوتے ہیں انہیں کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی ان کو بھی جو لوگ صلوٰۃ میں ہمارے دائیں اور بائیں جانب موجود

ہوتے ہیں اور تیسری بات یہ کہ صلوٰۃ ادا کرنے والے کے دائیں اور بائیں اس کرۂ زمین پر جتنے بھی مسلمان، انسان اور جن اور فرشتے موجود ہوتے ہیں، ان کو بھی یہ سلام کیا جاتا ہے۔ یعنی ان سب کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب پر سلامتی فرمائے۔

سلام کے بارے میں جناب رسول کریمؐ کا فرمان مبارک ہے جو روایت کیا گیا ہے داؤد، ترمذی اور حاکم میں کہ جناب رسول اللہؐ نے سلام کو نماز کا مکمل ہونا قرار دیا ہے۔

۳۔ صلوٰۃ میں سنت مؤکدہ

یہ بات عام طور پر سمجھ لینے کی ضرورت ہے کہ ایک تو صلوٰۃ کے وہ ارکان ہیں جو ضروری ہیں اور ان کے ادا نہ کرنے سے صلوٰۃ ہی نہ ہوگی، لیکن ان کے علاوہ کچھ ایسے ارکان ہیں جو رسول کریمؐ نے ادا کیے فرائض کے علاوہ۔ ان کے ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ کی بندگی کا مزید اظہار ہوتا ہے۔ اور جناب رسول اللہؐ کی سنت پر عمل بھی ہو جاتا ہے، جو یقینی طور پر باعث برکت و رحمت ہے اور رسول کریمؐ کی سنت ادا کرنا ہمارے لیے آپؐ کی محبت کا باعث بھی بن سکتا ہے اور روزِ قیامت آپؐ کی شفاعت کا باعث بھی، ان شاء اللہ۔ لیکن صرف اتنی بات گوش گزار کرنا ضروری ہے سنت مؤکدہ کے چھوڑے جانے پر کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ انفرادی طور پر ہر ایک پر منحصر ہے کہ وہ جناب رسول کریمؐ سے کتنی محبت کرتے ہیں اور کس قدر آپ کی تقلید کرتے ہیں۔

اس ضمن میں قرآن الحکیم کی سورۃ آل عمران (۳) کی آیات (۳۲۔۳۱) میں بتایا گیا ہے کہ:

''کہو (اے محمد!) اگر تم (حقیقت میں) اللہ سے محبت کرتے ہو تو پھر میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف فرمائے گا۔ اور اللہ (بے شک) معاف فرمانے والا، بہت ہی رحم والا ہے''۔

''کہو (اے محمد!) حکم مانو اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا، لیکن اگر وہ نہ مانیں تو اللہ نافرمانوں کو پسند نہیں فرماتا''۔

اسی طرح سے سورہ احزاب (۳۳) کی آیت (۲۱) میں جناب رسول کریمؐ کی اتباع کرنے کی اہمیت کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:

''بے شک اللہ کے رسول کی اتباع کرنے کے لیے، اللہ کے رسول میں تمہیں اچھی مثالیں ملیں گی، یہ اس کے لیے ہے جسے امید ہے اللہ سے (ملنے کی) اور آخرت کے دن کی، اور وہ یاد کرتا ہے اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ''۔

اور اس کے علاوہ بخاری میں جناب نبی کریمؐ کا ایک قول مبارک نقل ہے کہ:

''اس طرح سے صلوٰۃ ادا کرو جس طرح سے تم نے مجھے دیکھا ہے''۔

اب حدیث مبارکہ کی روشنی میں صلوٰۃ کی سنتیں بیان کی جاتی ہیں۔

(i) تمام نمازوں میں پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے بعد قرآن حکیم کی مکمل سورۃ یا ایک/دو، آیات پڑھنا، (جناب رسول کریمؐ کا ضروری عمل تھا..... بخاری ومسلم)

(ii) امام اور اکیلے نمازی کو رکوع کے بعد اٹھتے وقت سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہ، رَبَّنا وَلَکَ الحَمْد۔ اور مقتدی کا صرف رَبَّنا وَلَکَ الحَمْد کہنا سنت ہے۔

جناب ابو ہریرہؓ کے مطابق جناب رسول اللہؐ رکوع سے اٹھتے ہوئے پہلا جملہ ادا کرتے اور پھر کھڑے ہو کر دوسرا جملہ ادا کرتے۔ (صحیح مسلم وبخاری)

(iii) رکوع میں کم از کم تین مرتبہ سُبحَانَ رَبِّیَ العَظِیْمِ اور تین بار سجدے میں سُبحَانَ رَبِّیَ الاَعْلٰی پڑھ کر اپنے رب کی تسبیح بیان کرنی چاہیے۔ پہلی آیت کا نزول سورۃ واقعہ کی آیت (۹۶) میں ہوا، جبکہ دوسری آیت مبارکہ کا نزول سورۃ اعلیٰ (۸۷) کی پہلی آیت میں ہوا۔

مسند احمد وسنن ابی داؤد کے مطابق جب پہلی آیت نازل ہوئی تو جناب رسول کریمؐ کا فرمان ہوا کہ رکوع میں اس کی تعمیل کرو۔ اور جب دوسری آیت کا نزول ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ سجدہ میں اس کے مطابق ذکر کرو۔ چنانچہ جناب رسول کریمؐ کا یہ حکم بہت اہمیت کا حامل ہے، جس کی تعمیل ضروری ہے۔

سجدہ سے اٹھ کر پہلے اور دوسرے تشہد میں بیٹھنا اور تشہد کا پڑھنا (یعنی التحیّات کا پڑھنا) بھی سنت مؤکدہ ہے۔ اس لیے اگر امام پہلا تشہد بھول جائے جو بعض اوقات ہو جاتا ہے اور پھر صلوٰۃ مکمل ہونے پر سجدہ سہو بھی نہ کرے، یعنی وہ بھی بھول جائے تو بھی صلوٰۃ ادا ہو جائے گی، اس کا کوئی مواخذہ نہیں۔ کیونکہ سنت مؤکدہ کی بھول پر مواخذہ نہیں۔ ہاں اگر فرض ادا نہیں

ہوا تو صلوٰۃ دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔ لیکن جان بوجھ کر اگر کسی سنت مؤکدہ کو چھوڑا جائے تو ایسا کرنا جناب رسول کریمؐ کے حکم کی کہیں تو خلاف ورزی ہے اور کہیں جناب رسول کریمؐ کی محبت کے منافی ہے۔ جبکہ جناب رسول کریمؐ کی محبت ہمارے ایمان کی پہچان بھی ہے اور تکمیل بھی۔

صلوٰۃ الفجر، مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اونچی آواز میں قرأت کرنا اور دیگر میں آہستہ قرأت کرنا بھی سنت رسول کریمؐ ہے۔

سجدہ کو جاتے وقت اور سجدہ سے جلسہ یا قیام یا تشہد کی طرف جاتے وقت ''اللہ اکبر'' کہنا بھی سنت مؤکدہ ہے۔

۴۔ صلوٰۃ میں سنت غیر مؤکدہ

(i) صلوٰۃ کے شروع میں سورہ فاتحہ کی تلاوت سے پہلے حمد وثناء بیان کرنا۔

(ii) صلوٰۃ کی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ سے پہلے تعوذ پڑھنا اور ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنا۔

(iii) رکوع میں جاتے ہوئے اور واپس آتے ہوئے تکبیر کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ کاندھوں تک اٹھانا۔

(iv) سورہ فاتحہ کے بعد آمین کہنا، اونچی آواز میں۔

(v) فجر میں لمبی، مغرب اور عصر میں مختصر اور ظہر اور عشاء میں درمیانی قرأت کرنا۔

(vi) صبح کی آخری رکعت یا وتر کی رکعت میں قرأت کے بعد یا رکوع کے بعد قنوت کرنا، یعنی دونوں ہاتھ پھیلا کر دعائیں کرنا۔

(vii) سجدہ میں تسبیح کے بعد دعا کرنا۔

(viii) دو سجدوں کے درمیان دعا کرنا۔

(ix) صلوٰۃ کے بعد چوتھے کلمے اور آیت کریمہ یا آیت الکرسی کا پڑھنا، اور/یا الحمد للہ ۳۳ بار، اللہ اکبر ۳۳ اور سبحان اللہ ۳۳ بار پڑھنا۔

۵۔ صلوٰۃ میں ناپسندیدہ حرکات

صلوٰۃ کی ادائیگی کرتے ہوئے ہر وقت مُصَلّی کو یہ احساس رہنا چاہیے کہ وہ تمام جہانوں کے مالک اور اس کے اپنے مالک کی حضوری میں کھڑا ہے۔ اس لیے کہ ایک تو وقت مقررہ پر

اس کی حضوری میں پیش ہو کر حاضری دے اور ساتھ ہی اس کی بزرگی، حمد وثناء بیان کرنے کے ساتھ اپنی بندگی، بے بسی اور بے کسی کا اظہار بھی کرے۔ اور وہ یہ اچھی طرح سے جانتا ہے کہ ایسے وقت میں اس کی کیفیت کیسی ہونی چاہیے۔

صحیح مسلم کے مطابق جناب رسول کریمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ:

''صلوٰۃ میں سکون اختیار کرو''

اس کا مطلب ہے کہ مُصَلّی کا دھیان نماز کے علاوہ کہیں اور نہیں ہونا چاہیے اور اسے جلد بازی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ پرسکون طریقے سے صلوٰۃ ادا کرنی چاہیے، اگر کوئی شخص بھوک یا پیاس میں مبتلا ہو یا اسے رفع حاجت کی ضرورت ہو تو اس حالت میں صلوٰۃ ادا نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ اس حالت میں وہ بے سکونی اور بے چینی کی کیفیت میں مبتلا ہوگا۔

صلوٰۃ میں ایڑیوں پر بیٹھنا اور سجدہ میں بازو زمین پر لگانا مکروہ افعال ہیں، نماز میں اِدھر اُدھر نظر گھمانا یا ایسی حرکات کرنا جس سے نمازی کی توجہ نماز سے ہٹ رہی ہو، درست نہیں۔

۶۔ صلوٰۃ کو باطل کرنے والے امور

(i) اگر صلوٰۃ میں کوئی فرض رکن چھوٹ جائے تو صلوٰۃ باطل ہو جائے گی، لہٰذا صلوٰۃ کو دہرانا ضروری ہوگا۔

(ii) صلوٰۃ میں بات کرنے یا بات کا جواب دینے سے صلوٰۃ باطل ہو جائے گی۔ سوائے اس کے کہ امام اگر بھول جائے تو سبحان اللہ کہہ کر اسے یاد دلانا، اور اگر وہ قرأت بھول جائے تو درست قرأت کر کے بتانا درست ہوگا۔

۷۔ سجدہ سہو

نماز میں کسی معمولی غلطی کی بناء پر سجدہ سہو کر لینے سے اس غلطی کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر صلوٰۃ میں کوئی رکن سنت المؤکدہ یا غیر مؤکدہ کے رہ جانے پر سجدہ سہو کر لینا چاہیے۔ جو دو سجدوں پر مشتمل ہوتا ہے، جو صلوٰۃ کے آخر میں سلام کہنے سے پہلے کیے جاتے ہیں۔ اگر سجدہ سہو کرنا یاد نہ رہے تو سلام کے بعد بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اگر صلوٰۃ میں کسی فرض کی ادائیگی رہ

جائے تو پھر سجدہ سہو سے کام نہیں چلے گا بلکہ صلوٰۃ کو دہرانا پڑے گا۔

سجدہ سہو کے بارے میں عالیجناب رسول کریمؐ کی سنت کے بارے میں بیان درج ذیل کیا جاتا ہے:

ایک مرتبہ جناب نبی کریمؐ نے دو رکعت کے بعد سلام کہہ دیا، جبکہ چار کے بعد کہنا تھا، تو آپؐ کے اصحابہ میں سے کسی نے اس غلطی کے متعلق آگاہ کیا، جس پر جناب نبی کریمؐ نے دو رکعت اور پڑھا کر صلوٰۃ کو پورا کیا اور آخر میں سجدہ سہوادا کیا۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔

اسی طرح سے آپؐ دوسری رکعت میں تشہد میں بیٹھنے کے بجائے کھڑے ہو گئے۔ اس کے لیے آپؐ نے سلام سے پہلے سجدہ سہوادا کیا، اپنی بھول کی وجہ سے اور پھر فرمایا کہ:

''جب کبھی تم میں سے کوئی نماز میں یہ شک کرے اور بھول جائے کہ اس نے تین رکعت پڑھی ہیں یا چار تو اس صورت میں اپنے شک کو چھوڑ کر یقین پر آجائے، یعنی اسے اگر تین پر یقین ہے تو چوتھی رکعت پڑھ لے اور اگر چار پر یقین ہے تو اسی پر توقف کرے اور دونوں صورتوں میں سجدہ سہو کرے۔ اس صورت میں اگر اس نے پانچ رکعت پڑھ لیں تو سجدہ سہو سے اس کا ازالہ ہو جائے گا اور چار پڑھیں تو سجدہ سہو سے شیطان ذلیل ہو جائے گا''۔

اگر کوئی شخص اس وقت بھول جائے جب وہ امام کے پیچھے ہے تو وہ سجدہ سہو نہیں کرے گا۔ لیکن امام بھول جائے گا تو امام کے ساتھ تمام مقتدی بھی سجدہ سہو کریں گے۔

(iii) بعض اوقات چھوٹے بچے حالت صلوٰۃ میں اپنے ماں، باپ یا دیگر بزرگوں کی پشت پر چڑھ جاتے ہیں، یا ان کے آگے بیٹھ جاتے ہیں تو اس حالت میں صلوٰۃ باطل نہ ہوگی۔ بلکہ نمازی انہیں دورانِ صلوٰۃ سجدہ کے وقت ہٹا دے۔ معصوم بچوں کو گود میں لے کر بھی صلوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے، اور انہیں رکوع یا سجود کے وقت بٹھا دیا یا لٹا دیا جائے اور بعد میں پھر اٹھا لیا جائے۔ ان تمام امور سے صلوٰۃ باطل نہ ہوگی۔

(iv) دورانِ صلوٰۃ موذی جانور مثلاً سانپ، بچھو وغیرہ اگر آپ کے سامنے آجائیں تو آپ کو انہیں مارنے کی اجازت ہے۔

۸۔ پنجگانہ صلوٰۃ میں سنت نوافل یا سنت مؤکدہ

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ صلوٰۃ الفجر میں (۲) رکعت، ظہر میں (۴)، عصر میں (۴)، مغرب میں (۳) اور عشاء میں (۴) رکعت لازمی ہیں۔ یعنی فرض ہیں۔ اور ان کے ادا کرنے

سے صلوٰۃ ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے صلوٰۃ کے بارے میں کوئی مواخذہ نہ ہوگا، ان شاء اللہ۔ لیکن نبی کریمؐ نے ان فرائض کی ادائیگی کے علاوہ بھی نفل رکعتوں کا اہتمام فرمایا تھا۔ لیکن گھر میں، مسجد میں نہیں۔ یہ بات جناب نبی کریمؐ کے اعمال میں شامل تھی کہ چند صلوٰۃ میں کچھ مقررہ تعداد میں نوافل گھر میں پڑھ کر مسجد جاتے اور فرض پڑھاتے، اور چند میں فرض صلوٰۃ کے بعد گھر آکر کچھ مقررہ تعداد میں نوافل ادا فرماتے۔ اس طرح سے جو نوافل آپؐ نے باقاعدہ تسلسل کے ساتھ ادا کیے وہ سنت مؤکدہ کہلائے، لیکن جو نوافل کبھی کبھار یا بغیر تسلسل کے ادا فرمائے وہ سنت غیر مؤکدہ کہلائے۔

گو کہ سنت نوافل نہ ادا کرنے سے صلوٰۃ تو ہو جائے گی، لیکن جناب نبی کریمؐ کے امتی مزید فیوض و برکات سے محروم ہو جائیں گے اور آپؐ کی محبت سے بھی اور آپؐ کی تقلید سے بھی۔ اس لیے ہر مسلمان کو کوشش کرنی چاہیے کہ سوائے کسی مجبوری کے وہ سنت مؤکدہ کو ممکنہ طور پر اہمیت دے اور اسے ادا کرنے کی کوشش کرے۔

پنجگانہ صلوٰۃ میں درج ذیل نوافل جناب نبی کریمؐ نے ادا فرمائے جو سنت مؤکدہ کے ضمرے میں آتے ہیں۔

صلوٰۃ الفجر میں دو رکعت قبل از فرض

صلوٰۃ الظہر میں چار رکعت قبل از فرض یا دو رکعت قبل اور دو رکعت بعد از فرض

صلوٰۃ العصر میں کوئی نہیں

صلوٰۃ المغرب میں دو رکعت بعد از فرض

صلوٰۃ العشاء میں دو رکعت بعد از فرض

اب ان پانچوں صلوٰۃ میں سنت مؤکدہ کا احوال فرداً فرداً ذکر کیا جائے گا۔

(i) صلوٰۃ الفجر میں سنت مؤکدہ

سنت مؤکدہ کو سنت روا تب بھی کہا گیا ہے، اس کا مطلب ہے کہ ایسے نوافل جو نبی کریمؐ نے تسلسل کے ساتھ ادا کیے۔

☆ صحیح بخاری کے مطابق سیدہ عائشہؓ کی روایت ہے کہ جناب نبی کریمؐ نے ظہر کی صلوٰۃ سے

پہلے چار اور فجر سے پہلے دو رکعتیں کبھی ترک نہیں فرمائیں۔

☆ بخاری اور مسلم کی ایک اور روایت کے مطابق سیدہ عائشہؓ کا فرمانِ مبارک ہے کہ نبی کریمؐ نے کبھی بھی کسی اور نفل صلوٰۃ کو اتنی اہمیت نہیں دی جتنی کہ آپ صلوٰۃ الفجر سے پہلے دو رکعت کو دیتے تھے۔

☆ مسلم کی ایک روایت کے مطابق سیدہ عائشہؓ کا فرمان ہے کہ جناب نبی کریمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ ''دو رکعت قبل از فجر مجھے اس دنیا اور جو کچھ اس کے اندر ہے، اس سے عزیز ہے''۔

☆ بخاری اور مسلم کی روایت کے مطابق سیدہ عائشہؓ کا فرمانا ہے کہ جناب نبی کریمؐ فجر کی اذان اور اقامہ کے درمیان دو مختصر رکعتیں ادا کرتے تھے۔

(ii) صلوٰۃ الظہر میں سنت مؤکدہ

☆ ریاض الصالحین کے مطابق بخاری اور مسلم میں مرقوم ہے کہ، ابن عمرؓ کی روایت ہے، اور انہوں نے فرمایا کہ:

''میں نے صلوٰۃ ادا کی جناب رسول اللہؐ کے ساتھ، دو رکعت قبل از ظہر اور دو رکعت بعد از ظہر' اور یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

☆ صحیح بخاری کے مطابق سیدہ عائشہ صدیقہؓ کا قول ہے کہ نبی کریمؐ نے کبھی بھی صلوٰۃ الظہر سے پہلے چار رکعت ادا کرنا ترک نہیں کیا۔

☆ صحیح مسلم کے مطابق، ریاض الصالحین میں سیدہ عائشہؓ کی روایت نقل ہے کہ: ''جب بھی رسول کریمؐ میرے گھر ٹھہرے تو وہ ظہر سے پہلے چار رکعت ادا کرتے، پھر وہ جا کر صلوٰۃ الظہر کی امامت فرماتے، اور جب گھر واپس آتے تو دو رکعت ادا کرتے، پھر مغرب کے وقت جب گھر آتے تو بھی دو رکعت ادا کرتے اور پھر عشاء کے بعد بھی گھر آ کر دو رکعت ادا کرتے''۔

☆ ریاض الصالحین میں ترمذی کی ایک روایت کے مطابق: ''عبداللہ بن السائب نے فرمایا کہ جناب رسول کریمؐ چار رکعت ادا کیا کرتے تھے، سورج ڈھلنے کے بعد یعنی زوال آفتاب کے بعد اور ظہر سے پہلے اور فرماتے تھے کہ: ''یہ وہ گھڑی ہے جب جنت کے دروازے کھلے ہوتے ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ میرے اچھے اعمال اس وقت جنت کی طرف جائیں''۔

☆ ترمذی کی ایک اور روایت کے مطابق، سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ جب کبھی جناب رسول کریمؐ ظہر سے پہلے چار رکعت نہ پڑھ سکتے تو پھر بعد میں پڑھ لیتے، یعنی ظہر کے بعد''۔

☆ صحیح مسلم اور بخاری کی ایک روایت کے مطابق جناب ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ''میں نے رسول اللہ سے دس رکعتیں یاد کی ہیں، دو رکعتیں ظہر سے پہلے اور دو اس کے بعد آپؐ کے گھر میں۔ دو مغرب کے بعد آپؐ کے گھر میں، دو عشاء کے بعد آپؐ کے گھر میں اور دو رکعتیں فجر سے پہلے آپؐ کے گھر میں۔ اس طرح یہ کل دس رکعتیں ہوئیں۔

☆ ایک اور روایت مسلم کے حوالے سے ریاض الصالحین میں درج ہے کہ:

''ام المومنین اُمِ حبیبہؓ نے فرمایا کہ انہوں نے سنا ہے جناب رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے کہ: ''جنت میں ایک گھر بنایا جائے گا، ہر مسلمان کے لیے جو بارہ رکعتیں اضافی ادا کرے گا، پانچوں نمازوں میں''۔ اس حدیث میں ظہر کی چار پہلے اور دو بعد میں بتائی گئی ہیں۔

اب ان تمام احادیث مبارکہ پر غور کرنے سے یہ پتا چلتا ہے کہ زیادہ تر احادیث اس بات کا پتا دیتی ہیں کہ جناب نبی کریمؐ نے صلوٰۃ الظہر سے پہلے چار رکعتیں نفل ادا کیے عام طور پر۔ لیکن کبھی صلوٰۃ الظہر کے بعد دو رکعت نفل اور بھی ادا کر دیے۔ لیکن کبھی کبھی صلوٰۃ الظہر سے پہلے دو اور بعد میں بھی دو رکعت ادا فرماتے۔ اس طرح چار رکعت اضافی ہو جاتیں۔ علاوہ ازیں آپ کے ساتھ جن معتبر صحابی جناب عبداللہ بن عمرؓ نے پورا دن رات گزارنے کے بعد بتایا کہ انہوں نے آپ کے ساتھ ظہر کی کل چار رکعت پڑھیں زائد اور کل تمام نمازوں میں دس رکعت اضافی پڑھیں (یہ بتا دینا یہاں ضروری ہے کہ جناب عبداللہؓ جناب عمرؓ کے صاحبزادے اور سیدہ حفصہ ام المومنین کے بھائی تھے)

اب صرف دو حدیث ملتی ہیں جس کے مطابق صلوٰۃ الظہر میں چھ اضافی رکعتیں اور کل بارہ رکعتیں تمام دن میں بتائی جاتی ہیں ایک خوشخبری کے ساتھ۔ اس لیے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دو رکعتیں جن کے لیے خوشخبری بتائی گئی ہے وہ سنت غیر مؤکدہ ہیں اور مزید اجر و ثواب کا باعث ہیں۔ اگر یہ رکعتیں سنت مؤکدہ ہوتیں تو جلیل القدر امہات المومنین سیدہ عائشہؓ اور سیدہ حفصہؓ اور جناب عبداللہ بن عمرؓ ان دو رکعتوں سے کیونکر محروم رہتے۔ کیونکہ ان سے تمام روایات کے مطابق ظہر میں چار اضافی

رکعتیں بتائی گئی ہیں، اس لیے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو زائد رکعتیں ظہر کی سنت غیر مؤکدہ ہیں۔

(iii) صلوٰۃ العصر میں سنت مؤکدہ

صلوٰۃ العصر میں کوئی سنت مؤکدہ نہیں ہے، بلکہ چار رکعت غیر مؤکدہ ہیں۔

احادیث کے مطابق جناب رسول کریمؐ نے کبھی دو اور دو اور کبھی چار، قبل از صلوٰۃ العصر ادا کی ہیں اس سلسلے میں درج ذیل احادیث مبارکہ پیش خدمت ہیں۔

☆ ترمذی سے روایت ہے کہ جناب علی بن ابوطالبؓ نے فرمایا کہ جناب رسول کریمؐ صلوٰۃ العصر سے قبل چار رکعت ادا کرتے تھے، دو دو کر کے۔

☆ ترمذی اور داؤد کے مطابق ابن عمرؓ نے فرمایا کہ جناب نبی کریمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ ''اللہ کا رحم ہو اس شخص پر جو چار رکعت ادا کرتا ہے عصر سے پہلے''۔

(iv) صلوٰۃ المغرب میں سنت مؤکدہ

بیشتر احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صلوٰۃ المغرب کے بعد دو رکعت نفل سنت مؤکدہ ہیں۔ جبکہ قبل از صلوٰۃ المغرب سنت مؤکدہ نہیں ہیں بلکہ سنت غیر مؤکدہ ہیں۔ عام طور پر ان مساجد میں جہاں صلوٰۃ مغرب کے بعد کچھ دیر نمازیوں کے جمع ہونے کا انتظار کیا جاتا ہے، جیسا کہ مسجد الحرام اور مسجد النبوی میں اور بیشتر ممالک کی دیگر مساجد میں، تو مساجد میں موجود لوگ صلوٰۃ المغرب سے پہلے دو رکعت ادا کر لیتے ہیں۔ یہ دو رکعت تحیّۃ المسجد کے علاوہ ہوتے ہیں۔ لیکن جنوبی ایشیا کی زیادہ تر مساجد میں چونکہ اذان مغرب کے فوراً بعد صلوٰۃ شروع کر دی جاتی ہے، اس لیے وہاں قبل از صلوٰۃ دو رکعت ادا کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اسی لیے وہاں اس کا رواج ہی نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ صلوٰۃ المغرب میں اس قدر عجلت سے کام لیا جاتا کہ ابھی پورے نمازی مسجد میں آ بھی نہیں پاتے تو صلوٰۃ کی پہلی رکعت ہو چکی ہوتی ہے اور جب تک زیادہ تر نمازی وضو کر کے فارغ ہوتے ہیں تو دوسری رکعت بھی ہو جاتی ہے، اور پھر وہ لوگ بھاگم بھاگ تیسری رکعت میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ طریقہ قطعی طور پر درست نہیں بلکہ نہایت ناگوار ہے۔ کم از کم لوگوں کو مسجد الحرام اور مسجد النبوی شریف کی سنت پر عمل کرنا چاہیے۔

صلوٰۃ الظہر کے مضمون میں بیان کردہ دو احادیث مبارکہ جنہیں سیدہ عائشہؓ اور جناب

ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے، ان کے مطابق جناب رسالت مآبؐ جب صلوٰۃ المغرب کے بعد گھر تشریف لاتے تو دو رکعت ادا کرتے اور آپ کا یہ عمل مسلسل تھا، اس وجہ سے دو رکعت بعد از مغرب سنت مؤکدہ ٹھہرے۔

اس کے علاوہ ریاض الصالحین میں صحیح بخاری کی ایک حدیث منقول ہے، جسے عبداللہ بن مغفّل نے روایت کیا ہے، کہ جناب نبی کریمؐ نے فرمایا کہ:

''پڑھو دو رکعت قبل از صلوٰۃ المغرب، اور اس حکم کو آپؐ نے دو مرتبہ دہرایا۔ لیکن تیسری مرتبہ آپ اس حکم کو دہرانے لگے تو آپ نے اپنے سابقہ الفاظ میں ان الفاظ کا اضافہ کر دیا کہ ''وہ جو اس کی خواہش رکھتا ہو''۔

اس طرح سے ان دو رکعت قبل از مغرب کو سنت غیر مؤکدہ کا درجہ حاصل ہو گیا۔

(v) صلوٰۃ العشاء میں سنت مؤکدہ

قبل ازیں صلوٰۃ الظہر کے عنوان سے دو احادیث ریاض الصالحین سے منقول کی گئی ہیں جو بخاری اور مسلم میں روایت کی گئی ہیں، ایک روایت کی گئی ہے ام المومنین سیدہ عائشہؓ سے اور دوسری جناب ابن عمرؓ سے جن کے مطابق جناب رسول کریمؐ عشاء کی صلوٰۃ کے بعد جب گھر آتے تو دو رکعت ادا کیا کرتے تھے۔ اس طرح سے صلوٰۃ العشاء کی کل رکعتیں مع فرائض چھ ہوئیں۔ یہ بات یقینی طور پر مسلمانان جنوبی ایشیا کے لیے نہایت حیران کن ہوگی، کیونکہ وہاں صلوٰۃ العشاء کی کل (۱۷) سترہ رکعتیں بتائی جاتی ہیں۔ ہم یہاں اس سلسلے میں کوئی بحث میں نہیں پڑیں گے کہ وہاں ایسا کیوں اور کس نے کیا، جس کی کوئی سند احادیث مبارکہ میں نہیں ملتی، اور نہ ہی جناب رسول کریمؐ کی سنت مبارکہ سے۔ البتہ ان (۱۷) سترہ رکعتوں میں جو (۳) وتر انہوں نے لکھے ہیں وہ بھی دراصل صلوٰۃ العشاء کا حصہ نہیں ہیں، بلکہ وہ صلوٰۃ الیل کی قائم مقام ہیں ان کا ذکر صلوٰۃ الیل میں آئے گا۔

۹۔ صلوٰۃ الیل۔ صلوٰۃ الوتر۔ صلوٰۃ التہجد

یہ تینوں نام ایک ہی صلوٰۃ کے ہیں۔ یہ صلوٰۃ الیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم اسی

نام سے دیا۔ سورہ مزمل (۷۳) کی (۱۔۸) آیات میں اور اس کو رات کی نماز یعنی صلوٰۃ الیل کہہ کے پکارا۔ اور اس کا حکم درج بالا آیات میں دیا، جس کا مطلب درج ذیل ہے:

''اے جو چادر میں لپٹے ہوئے ہو'' (یہ خطاب جناب نبی کریمؐ سے ہے جو اس وقت چادر اوڑھے سو رہے تھے)۔ پھر فرمایا:

''کھڑے ہو جاؤ (صلوٰۃ کے لیے) تمام رات، سوائے کچھ وقت کے (یعنی رات کے زیادہ تر حصے کو صلوٰۃ میں گزارو)''۔ پھر فرمایا:

''رات کے آدھے وقت تک یا کچھ اس سے کم''۔ پھر فرمایا:

''یا کچھ زیادہ (آدھی رات سے) اور پڑھو قرآن (صلوٰۃ میں) خوش الحانی کے ساتھ'' پھر فرمایا:

''بے شک! ہم تم پر اتاریں گے ایک بھاری قول (یعنی قرآن)'' پھر فرمایا:

''بے شک! رات کے وقت اٹھنا (صلوٰۃ کے لیے) بہت مشکل ہے، اور تکلیف دہ، لیکن بہت بہتر ہے، سمجھنے کے واسطے کلام (اللہ کا)''۔ پھر فرمایا:

''بے شک! دن میں تمہارے لیے بہت سے کام اور ذمہ داریاں ہوتی ہیں''۔ پھر فرمایا:

''اور ذکر کرو اپنے رب کا نام اور متوجہ کرو اپنے آپ کو اس کی طرف، کامل توجہ کے ساتھ''۔

ان آیات کریمہ کی تشریح امام ابن کثیرؒ نے کرتے ہوئے مسند احمد سے سیدہ عائشہؓ کی روایت قلمبند کی ہے جسے یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔

''سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ جب سورہ مزمل کا نزول ہوا تو بے شک اللہ تعالیٰ نے (صلوٰۃ کے لیے) رات کا اٹھنا فرض کر دیا۔ (جیسا کہ آیات بالا میں بیان کیا گیا ہے) لہٰذا جناب نبی کریمؐ اور آپؐ کے ساتھی اس کے بعد پورے سال رات بھر کھڑے رہتے (صلوٰۃ کے لیے)، یہاں تک کہ ان کے پاؤں مبارک سوجن سے پھول گئے۔ چنانچہ رب کریم نے بارہ ماہ کے بعد آپؐ اور صحابہ کرام سے یہ بوجھ آسان فرما دیا، اور صلوٰۃ الیل کو نوافل میں تبدیل کر دیا۔ چونکہ جناب نبی کریمؐ نے اس صلوٰۃ کو کبھی ترک نہیں فرمایا اس لیے یہ صلوٰۃ سنت مؤکدہ میں شامل ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس تخفیف کا حکم سورہ مزمل کی آخری آیت (۲۰) میں فرمایا گیا، اس آیت کریمہ کے مطابق فرمایا گیا ہے کہ:

''بے شک! تمہارا رب جانتا ہے کہ تم کھڑے ہوتے ہو (صلوٰۃ الیل کے لیے) دو تہائی رات سے کچھ کم یا آدھی رات تک یا رات کے تیسرے حصے تک، اور آپ کے ساتھ لوگوں کی ایک جماعت بھی۔ اور اللہ ہی رات اور دن کا حساب رکھتا ہے، وہ جانتا ہے کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ رات اس طرح سے عبادت کر سکو۔ لہٰذا اس (اللہ) نے بدل دیا حکم تمہارے لیے (رحم کرتے ہوئے) پس! پڑھو قرآن (صلوٰۃ میں) جتنا کہ تم آسانی سے پڑھ سکو۔ وہ (اللہ) جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ ہوں گے بیمار، دوسرے سفر کرتے ہوئے زمین پر اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرنے کے لیے، اور کچھ اللہ کی راہ میں لڑائی میں شریک ہوں گے۔ لہٰذا پڑھو قرآن جتنا کہ تمہارے لیے آسان ہو، اور قائم کرو صلوٰۃ اور ادا کرو زکوٰۃ اور خیرات کرو، جسے اللہ اپنے ذمہ قرض لے لے گا۔ اور جو کوئی بھی اچھائی تم اپنے لیے بھیجو گے (اللہ کے پاس، اس کے احکامات مان کر) تو تم پاؤ گے انہیں اللہ کے پاس، بہت عمدہ و اعلیٰ تمہارے انعام میں اور اللہ سے مغفرت اور بخشش چاہو، بے شک (اللہ) بہت ہی زیادہ بخشنے والا اور نہایت رحم فرمانے والا ہے''۔

اسی صلوٰۃ کو یعنی صلوٰۃ الیل کو صلوٰۃ الوتر اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ صلوٰۃ دو، دو رکعتوں پر مشتمل ہوتی ہے اور پھر ایک آخری رکعت پر پوری ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ پوری صلوٰۃ طاق اعداد کی رکعتوں میں ہو جاتی ہے اور ایک رکعت پر مکمل ہوتی ہے۔ لفظ وتر کے دو معنی ہیں۔ ایک مطلب تو اس کا ہے ''طاق'' اور دوسرا مطلب ہے ''اکیلا'' یا ''تنہا''۔ اسی لیے اس صلوٰۃ کو صلوٰۃ الوتر بھی کہتے ہیں۔

اور تہجد اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ اسراء (۱۷) کی آیت (۷۹) کی آیت مبارکہ کے مطابق فرمایا گیا کہ: ''اور رات میں سے کسی وقت ادا کرو تہجد کے نوافل۔ تمہارے لیے (اے محمد) ہو سکتا ہے کہ تمہارا رب تمہیں بلندی عطا فرمائے، مقام محمود کی''۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے صلوٰۃ التہجد کو فرائض سے نوافل میں تبدیل فرما دیا، تو اس کے بعد رب العالمین نے اپنے محبوب بندے کو ایک خوشخبری سنائی کہ وہ اپنے اس عمل کے ذریعہ سے مقام محمود پائیں گے۔ ظاہر ہے جو نہایت اعلیٰ اور خوش کر دینے والا انعام ہوگا۔ اس سلسلے میں صحیح بخاری کی ایک حدیث جسے جناب ابن عمرؓ نے روایت کیا ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ:

''روزِ قیامت جب لوگ (کرب و بلا میں مبتلا ہوکر) اپنے گھٹنوں پر لوٹ پوٹ ہو رہے ہوں گے، تو اس روز ہر قوم اپنے اپنے پیغمبر کے ساتھ ہوگی اور وہ اپنے اپنے پیغمبروں سے کہہ رہی ہوگی کہ، اے فلاں فلاں نبی! ہماری سفارش کیجیے (اللہ سے)۔ یہاں تک کہ سفارش کا حق دیا جائے گا پیغمبر (محمدؐ) کو اور یہ وہی دن ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ انہیں مقام محمود تک بلند فرمائیں گے''۔ (یعنی جنت کا اعلیٰ ترین مقام واعزاز حق سفارش بھی)۔

(i) تعداد رکعت

ام المومنین سیدہ عائشہؓ کی روایت جو اسی مضمون کے شروع میں ذکر کی گئی ہے، اس کے مطابق جب آپ سے سوال کیا گیا جناب رسول اللہؐ کے متعلق، کہ آپؐ کس طرح سے صلوٰۃ الوتر ادا فرماتے تھے تو اس پر محترمہ عائشہؓ نے فرمایا:

''ہم آپؐ کے لیے مسواک اور وضو کا پانی تیار کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ جب چاہتے، جناب رسول کریمؐ نیند سے بیدار ہو جاتے، رات کے کسی بھی وقت۔ پھر آپؐ مسواک کر کے وضو فرماتے، اس کے بعد آپؐ آٹھ رکعت ادا فرماتے لیکن درمیان میں بیٹھتے نہیں سوائے آخری رکعت کے، (یعنی آپ دو، دو کر کے آٹھ رکعتیں ادا فرماتے تسلسل کے ساتھ) اور پھر اس کے بعد آپؐ بیٹھے رہتے اور اپنے رب الاعلیٰ کا ذکر فرماتے اور دعائیں کرتے، لیکن سلام کہے بغیر اٹھ جاتے اور پھر نویں رکعت ادا کرتے اور پھر بیٹھ جاتے، اور پھر اللہ سبحانہٗ کا ذکر فرماتے اور دعائیں کرتے اور اس کے بعد صلوٰۃ کو پورا کرنے کے لیے سلام کر کے صلوٰۃ سے باہر آ جاتے۔ اور پھر اس کے بعد دو رکعت اور پڑھتے اور سلام کہہ کر صلوٰۃ پوری کرتے اس طرح سے یہ کل گیارہ رکعت ہو جاتیں۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے صلوٰۃ الیل کی نو رکعت ادا کیں۔ جبکہ بعد کی دو رکعت فجر کی سنت نوافل معلوم ہوتے ہیں کیونکہ وتر کو رات کی آخری صلوٰۃ کہا گیا ہے۔ لیکن بیشتر علماء یہ گیارہ رکعت صلوٰۃ الیل کی ہی بتاتے ہیں۔

پھر آپؓ نے فرمایا کہ: لیکن جب آپؐ عمر رسیدہ ہوگئے اور کچھ بھاری بھی تو آپ صلوٰۃ الوتر کی سات رکعتیں اور اس کے بعد دو رکعت مزید۔ اس طرح یہ کل نو رکعتیں ہو جاتیں۔

صحیح بخاری کی روایت کے مطابق جناب رسول کریمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ:

صلوٰۃ الیل دو، دو رکعت ہے جب تم میں سے کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہو جائے تو ایک رکعت پڑھے۔ اس طرح اس کی ساری پڑھی ہوئی صلوٰۃ وتر ہو جائے گی یعنی طاق بن جائے گی۔

بخاری کی ایک اور روایت جناب ابن عباسؓ نے بیان کی ہے کہ:

''ایک مرتبہ میں نے شب گزاری ام المومنین سیّدہ میمونہؓ (ابن عباس کی خالہ) کے گھر۔ جہاں جناب رسول کریمؐ تقریباً آدھی رات تک سوئے اور پھر اپنے چہرۂ مبارک کو مَلتے ہوئے بیدار ہوئے اور سورۃ آل عمران میں سے دس آیات کریمہ تلاوت فرمائیں، پھر آپؐ نے مشکیزہ اٹھایا اور وضو فرمایا، اور صلوٰۃ کے لیے کھڑے ہوگئے اور میں نے بھی اُسی طرح کیا اور آپؐ کے پہلو میں کھڑا ہوگیا۔ جناب نبی کریمؐ نے اپنا دایاں ہاتھ میرے سر پر رکھا اور میرا کان گھمایا اور پھر دو رکعت ادا کیں، پانچ مرتبہ۔ اور پھر اپنی صلوٰۃ مکمل کی وتر کے ساتھ (یعنی ایک رکعت کے ساتھ) اس کے بعد آپؐ لیٹے رہے، یہاں تک کہ مؤذن آیا پھر آپؐ کھڑے ہوگئے اور دو رکعت ادا کیں (فجر کی سنتیں) اور پھر باہر گئے اور فجر کی صلوٰۃ ادا کی (مسجد میں)

(ii) اوقات الوتر

بخاری کی ایک روایت کے مطابق جناب عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ''جناب نبی کریمؐ نے فرمایا کہ وتر کو رات کی آخری صلوٰۃ بناؤ''۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ وتر کے اوقات عشاء کی صلوٰۃ کے بعد شروع ہو کر فجر کی صلوٰۃ سے پہلے تک رہتے ہیں۔

صحیح مسلم کے مطابق جناب نبی کریمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ:

''جس کا خیال ہو کہ وہ رات کے آخری حصے میں بیدار نہیں ہو سکے گا، تو وہ اول وقت میں وتر پڑھ لے اور جو یہ گمان کرتا ہے کہ وہ آخری حصے میں بیدار ہو جائے گا، تو وہ آخری حصہ میں ہی وتر ادا کرے۔ اس لیے کہ رات کے آخری حصے کی صلوٰۃ میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور وہ افضل ہے۔

اسی وجہ سے جنوبی ایشیا کے عالموں نے صلوٰۃ العشاء کے ساتھ تین رکعت وتر لگا دیے ہیں اور ساتھ یہ بھی بتا دیا ہے کہ تہجد کی صلوٰۃ سو کر اٹھنے سے ہی ادا ہوگی، یہ نہایت غلط بات ہے۔ عوام الناس کو قرآن اور حدیث کے مطابق ہی بتلانا چاہیے۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ تین

رکعت وتر عشاء کی صلوٰۃ نہیں ہیں بلکہ صلوٰۃ التہجد ہیں تو وہ یقینی طور پر اور بہتر طریقے سے ادا کریں گے۔ کیونکہ اکثر لوگ عشاء کی صلوٰۃ پڑھنے کے تقریباً دو تین گھنٹے بعد سوتے ہیں۔ لہٰذا وہ سونے سے پہلے تہجد ادا کر سکتے ہیں اور تین کے بجائے کم از کم سات رکعت ادا کر سکتے ہیں۔ بہر حال صلوٰۃ التہجد سنت مؤکدہ ہے اور اس کا اہتمام کرنا چاہیے۔

(iii) قضاء وتر

مستدرک حاکم کے مطابق جناب نبی کریمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ:

''اگر تم میں سے کوئی شخص صبح ہونے تک وتر نہ پڑھ سکا ہو تو وتر پڑھ لے''۔

یعنی وتر کی قضا کرے اور صلوٰۃ الفجر سے پہلے وتر ادا کر لے۔

(iv) رات میں صرف ایک وتر

سنن ترمذی کے مطابق قولِ رسول اللہؐ ہے کہ: ''ایک رات میں دو (مرتبہ) وتر نہیں'' چنانچہ جس شخص نے رات کے اول حصے میں وتر ادا کر لیے ہوں، اور پھر رات کے آخری حصے میں بھی نوافل ادا کرنا چاہتا ہو تو وہ صرف نوافل ادا کرے، وتر نہیں''۔

(v) دعائے قنوت

قنوت کا مطلب ہے صلوٰۃ کی آخری رکعت میں، رکوع سے پہلے یا رکوع کے بعد اپنے ہاتھ پھیلا کر اللہ تعالیٰ کے سامنے خاص دعاؤں کی گزارش کرنا۔ رکوع سے پہلے اور بعد، یہ دونوں طریقے رسول اللہؐ سے ملتے ہیں۔

لیکن قنوت میں کسی خاص دعا کی شرط نہیں۔ کچھ ممالک میں بچوں کو ڈنڈے مار مار کر ایک خاص قسم کی دعا جسے دعائے قنوت کا نام دیا گیا ہے، سکھائی جاتی ہے۔ اور حیرت کا مقام ہے کہ اگر کسی کو یہ پتا چلانا ہو کہ کوئی شخص دینی باتوں کی سمجھ بوجھ رکھتا ہے تو اس سے دعائے قنوت سنانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور جب کوئی شخص وہ مخصوص دعا سنانے میں ناکام ہو جائے تو یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسے دینی علوم کی چنداں واقفیت نہیں ہے، بلکہ وہ دین دار ہی نہیں۔

دین کے لیے اس قسم کے معیار مقرر کر لینا نہایت نامناسب ہیں۔ جو بھی آپ اللہ تعالیٰ سے مانگنا چاہتے ہیں وہ مانگ لیں اور وہ آپ اپنی زبان میں بھی مانگ سکتے ہیں۔ سوائے ان

ارکانِ صلوٰۃ کے جو کہ فرائض اور سنت مؤکدہ میں شامل ہیں وہی آپ کو لازمی طور پر قرآن کی زبان میں ادا کرنے ہوتے ہیں۔

ایک اور لازمی بات یہ سمجھ لینی چاہیے کہ قنوت کرنا نہ تو فرض ہے اور نہ ہی سنت مؤکدہ، بلکہ یہ سنت غیر مؤکدہ ہے اور جناب رسول کریمؐ نے تسلسل کے ساتھ قنوت نہیں فرمایا۔ دوسری بات یہ کہ قنوت صرف وتر میں نہیں اور نہ ہی وتر میں قنوت لازم ہے۔ بلکہ جناب رسول کریمؐ نے مغرب میں بھی قنوت فرمایا اور فجر میں بھی، اور رہا وتر کا معاملہ تو وہ تو آپ رات کی تنہائی میں ہی پڑھتے تھے لیکن اس میں بھی قنوت کیا جا سکتا ہے۔ ماہ رمضان میں صلوٰۃ الوتر جسے عرفِ عام میں صلوٰۃ التراویح کہا جاتا ہے اس میں اجتماعی دعائیں مانگنے کے لیے قنوت کیا جاتا ہے، تاکہ رمضان کے بابرکت مہینے میں اجتماعی طور پر قنوت کا اہتمام کیا جائے۔

بخاری میں جناب اَنَسؓ کی روایت ہے کہ قنوت صلوٰۃ المغرب یا صلوٰۃ الفجر میں کی جاتی تھی اور یہ معمول کا دستور نہ تھا۔ رسول کریمؐ نے ایک مرتبہ تسلسل کے ساتھ مسلسل (۴۰) چالیس روز تک صلوٰۃ الفجر میں قنوت فرمایا۔ اور چند خاص بدبختوں کے لیے بددعا فرمائی۔ واقعہ کچھ یوں ہوا، ۴ھ میں نجد سے بنونجد کا سردار عامر منافق کی حیثیت سے جناب نبی کریمؐ کے پاس آیا اور درخواست کی کہ اس کے ساتھ قرآن کی تعلیم کیلیے زیادہ سے زیادہ اصحاب روانہ کیے جائیں، اور ان کی تمام تر حفاظت کا ذمہ بھی لیا۔ چنانچہ جناب رسول اللہؐ نے اس بدبخت کے ساتھ چالیس اصحابہ کرام کو جو قرآن حکیم سے بخوبی واقفیت رکھتے تھے، بھیج دیا۔ لیکن اس لعنتی شخص نے راستے میں ہی ان سب کو قتل کروا دیا۔ یہ حادثہ تمام مسلمانوں اور جناب رسول اللہؐ کے لیے ایک عظیم نقصان تھا، جس کی وجہ سے آپ بے حد رنجیدہ ہوئے لہٰذا آپ نے مسلسل چالیس روز تک صلوٰۃ الفجر میں قنوت فرمایا اور ان بدبختوں کے لیے بددعا فرماتے رہے، جنہوں نے آپؐ کے جید صحابہ کو شہید کیا تھا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ قنوت میں حسب حال وضرورت دعائیں مانگی جا سکتی ہیں، اور یوں سمجھیے کہ یہ اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا ایک عاجزانہ طریقہ ہے اس طرح سے دعا مانگنا پریشانی کے عالم میں انفرادی طور پر اور اجتماعی طور پر دونوں طریقوں سے صحیح ہے۔

باب پنجم

ا۔ صلوٰۃ الجمعۃ المبارک

صلوٰۃ الجمعہ ہفتہ وار ایک بہت اہم اجتماعی عبادت ہے۔ جس طرح کہ دیگر اہل کتاب مذاہب میں بھی ہفتہ وار اجتماعی عبادت کا سلسلہ تھا اور آج بھی برائے نام موجود ہے۔ صلوٰۃ الجمعہ فرض صلوٰۃ ہے، جو بروز جمعہ صلوٰۃ الظہر کی جگہ ادا کی جاتی ہے جس پر جمعہ واجب نہیں ہوتا یا وہ مجبوراً صلوٰۃ الجمعہ ادا نہیں کر سکتے تو وہ اس کی جگہ صلوٰۃ الظہر ہی ادا کرتے ہیں، کچھ لوگ صلوٰۃ الجمعہ کو سنت مؤکدہ کہتے ہیں، یہ بات درست نہیں کیونکہ صلوٰۃ الجمعہ کے لیے واضح احکامات موجود ہیں، اللہ رب العزت نے قرآن حکیم کی سورہ جمعہ (۶۲) کی آیت (۹) میں واضح حکم دیا ہے کہ: ''اے ایمان والو! جب جمعہ کے روز (جمعہ کی) اذان ہو جائے، تو تم اللہ تعالیٰ کے ذکر (خطبہ و نماز) کی طرف جلدی آجایا کرو، اور تجارت (مع مشغولیات زندگی) چھوڑ دیا کرو۔ یہ (عمل) تمہارے لیے خیر ہے، اگر تم شعور رکھتے ہو''۔

صلوٰۃ الجمعہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا حکم اس سے زیادہ اور کیا واضح ہو سکتا ہے، لہٰذا اس بارے میں مزید کسی بھی تشریح کی ضرورت نہیں۔

صحیح مسلم میں قول رسول مقبول ہے، کہ:

''لوگ جمعہ ترک کرنے سے باز آجائیں، یا پھر اللہ ان کے قلوب پر مہر لگا دے گا۔ اور پھر وہ لوگ غافلوں میں سے ہو جائیں گے''۔

سنن ابوداؤد میں حدیث ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ:

''(صلوٰۃ) جمعہ ہر مسلمان پر حق اور واجب ہے، لیکن چار اقسام کے لوگ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی مملوک غلام، عورتیں، بچے اور مریض۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ لوگ جمعہ میں شرکت ہی نہ کریں۔ بلکہ اگر انہیں موقع میسر ہو اور ان کے لیے مسجدوں میں آنے کا اور صلوٰۃ ادا کرنے کا بندوبست ہو اور وہ آنے کے قابل بھی ہوں تو ان کے لیے باعث فیوض و برکات

ہوگا۔ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ اگر مرد پابند صلوٰۃ ہوں گے تو گھر والے بھی پابند صلوٰۃ ہو جائیں گے۔ لیکن اگر خواتین پابند صلوٰۃ ہوں گی تو اس گھر نسلیں پابند صلوٰۃ ہو جائیں گی۔ کیونکہ ماں کی حیثیت ایک فرد کی نہیں بلکہ ایک ادارے کی ہوتی ہے۔ اس کا کردار، اس کے اعمال، اس کا علم و حکمت اور اس کی عبادات اس کی اولاد میں نسل در نسل منتقل ہوتی رہتی ہیں۔

صلوٰۃ جمعہ میں اوپر بیان کی گئی چار اقسام یعنی غلام، خواتین، بچے اور مریضوں کے علاوہ لاچار بوڑھے، مسافر اور ایسے لوگ جو آبادیوں سے دور رہتے ہوں وہ بھی اس سے مستثنیٰ ہیں۔

(i) اوقات صلوٰۃ الجمعہ

صلوٰۃ الجمعہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ سرد موسم میں اول وقت میں جبکہ گرم موسم میں آخری وقت میں ادا کی جائے۔ اور یہی جناب رسول کریمؐ کی سنت مبارکہ تھی، اس سلسلے میں صحیح بخاری میں جناب انس بن مالکؓ کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ ''جناب رسول اکرمؐ صلوٰۃ الجمعہ جلدی ادا کرتے، اگر موسم زیادہ سرد ہوتا اور اگر موسم زیادہ گرم ہوتا تو پھر تاخیر فرماتے''۔

(ii) صلوٰۃ الجمعہ کی رکعتیں

صلوٰۃ الظہر کی نسبت یعنی چار کی بجائے جمعہ میں دو رکعت ہوتی ہیں، جبکہ جمعہ کا خطبہ بقایا دو رکعت کا قائم مقام ہوتا ہے، جس کا سننا واجب ہے۔

ا صلوٰۃ الجمعہ کے سنت نوافل

اس بارے میں امت مسلمہ میں بہت سی خلاف سنت روایات رواج پا چکی ہیں۔ عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ لوگ صلوٰۃ الجمعہ میں بارہ یا چودہ رکعتیں مکمل کرتے ہیں، کچھ کا کہنا ہے کہ وہ احتیاطاً ظہر کی نماز بھی ادا کرتے ہیں۔ یہ سب باتیں خلاف از سنت نبوی ہیں۔ صلوٰۃ الجمعہ قائم مقام ہے صلوٰۃ الظہر کا چنانچہ جب صلوٰۃ الجمعہ ادا ہوگئی تو گویا ظہر بھی ادا ہوگی، یعنی صلوٰۃ الجمعہ کے بعد کوئی اور صلوٰۃ نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے سورہ الجمعہ (۶۲) کی آیت (۱۰) میں کہ: (یہ آیت سابقہ آیت (۹) سے منسلک ہے)

''اس کے بعد (یعنی صلوٰۃ الجمعہ) زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو (یعنی رزق حلال کی تلاش میں لگ جاؤ) اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، اگر تم کامیابی چاہتے ہو''۔

اس آیت کریمہ کی روشنی میں احادیث نبویؐ کا مطالعہ بھی کر لینا ضروری ہے، تاکہ دیکھا جائے کہ اس سلسلے میں جناب نبی کریمؐ کا کیا رویہ تھا۔

ا صلوٰۃ الجمعہ سے قبل سنت نوافل

یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صلوٰۃ الجمعہ سے قبل کوئی سنت نوافل نہیں ہیں، بلکہ صرف خطبہ سننا واجب ہے اور وہ صلوٰۃ الجمعہ کا حصہ ہے۔ لیکن نمازی جب مسجد میں داخل ہو تو وہ دو رکعت تحیۃ المسجد ضرور پڑھ لے۔ اور ان میں تخفیف سے کام لے۔ یہ نوافل پڑھنا سنت مؤکدہ ہیں۔ صحیح مسلم کے مطابق عالیجناب رسول مکرمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ:

''جب امام خطبہ دے رہا ہو تو دو رکعت (تحیۃ المسجد) پڑھ لے اور ان میں تخفیف سے کام لے''۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری میں جناب جابرؓ کی روایت منقول ہے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا جبکہ نبی کریمؐ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے، تو جناب نبی کریمؐ نے اس سے سوال کیا: کیا تم نے (تحیۃ المسجد) پڑھ لی؟ اس شخص نے انکار یہ جواب دیا۔ جس پر جناب نبی کریمؐ نے فرمایا: ''دو رکعتیں پڑھو''۔

ا صلوٰۃ الجمعہ کے بعد سنت نوافل

بخاری اور مسلم کی روایات کے مطابق جناب عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ:

''میں نے پڑھیں دو رکعت (نفل) صلوٰۃ الجمعہ کے بعد جناب نبی کریمؐ کے ساتھ'' اس کے علاوہ صحیح مسلم کی ایک حدیث کے مطابق جناب عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ:

''جناب رسول کریمؐ کوئی نماز ادا نہیں کرتے تھے صلوٰۃ الجمعہ کے بعد، جب تک کہ آپ اپنے گھر واپس نہ لوٹ جاتے، جہاں وہ دو رکعت ادا کرتے''۔

صحیح مسلم کی ہی ایک اور روایت کے مطابق جناب ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ: ''جناب رسول کریمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ: اگر تم میں سے کوئی صلوٰۃ الجمعہ ادا کرے تو اسے چار رکعت اس کے بعد ادا کرنی چاہئیں''۔

لہٰذا معلوم یہ ہوا کہ قرآن الحکیم کی سورہ جمعہ کی آیت (۱۰) کے مطابق اور حدیثِ رسول مقبولؐ کے مطابق مسجد میں صلوٰۃ الجمعہ کے بعد کوئی نوافل نہیں۔ بلکہ جناب رسول کریمؐ کے تین

فرمان کے مطابق دو رکعت اور ایک فرمان کے مطابق چار رکعت جمعہ کے بعد گھر جا کر نفل ادا کرنے چاہئیں۔ اس لیے ہمیں ان دونوں روایتوں کے مطابق صلوٰۃ الجمعہ کے بعد دو یا چار رکعتیں گھر جا کر ادا کرنی چاہئیں۔ لیکن مسجد میں ادا کرنا سنت رسول اللہ کے مطابق نہیں ہوگا۔ یہ الگ بات ہے صلوٰۃ کے بعد کسی کو گھر ہی نہ جانا ہو تو پھر اس کا مسجد میں پڑھ لینا درست ہوگا۔

صلوٰۃ الجمعہ کے بعد فوری طور پر سنت، نوافل یا بقول کچھ لوگوں کے احتیاطاً ظہر ادا کرنا کچھ مناسب نہیں۔ اس لیے کہ صلوٰۃ الجمعہ کے فوراً بعد مسجد سے جانے والے لوگ اپنے راستے کے لیے منتظر رہتے ہیں اور کچھ لوگ مجبوراً پھلانگ کر گزرتے ہیں اس لیے ان حضرات سے یہ گزارش ہے کہ جو صلوٰۃ الجمعہ کے بعد سنت نوافل ادا کرنا چاہتے ہوں، تو وہ کچھ دیر توقف کر لیں، تاکہ جن لوگوں کو جانا ہے وہ چلے جائیں۔ اور ان کے جانے کے بعد بچ جانے والے حضرات اطمینان سے سنت نوافل ادا کر لیں۔ اس طرح سے مسجد بدنظمی کا شکار نہ ہوگی اور نہ ہی کسی کو تکلیف اٹھانی پڑے گی۔

دوسری خاص بات جو یقینی طور پر نہایت نامناسب اور ناموزوں ہے وہ یہ کہ خاص طور پر جنوبی ایشیا کے لوگ اس بات کی احتیاط نہیں کرتے کہ مسجد میں لائی گئی میت کو جلدی سے فارغ کر دیں۔ بلکہ میت مسجد کے باہر دھوپ میں پڑی رہتی ہے کیونکہ وہاں عام طور پر کوئی سایہ دار جگہ نہیں ہوتی۔ اور بجائے اس کے کہ صلوٰۃ الجمعہ کے فوراً بعد میت کی صلوٰۃ جنازہ ادا کر دی جائے، یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ دعا اور سنتوں کے بعد نماز جنازہ ہوگی۔ اور وہاں میت کو مسجد میں لانا بھی مکروہ قرار دے دیا گیا ہے۔ لہٰذا صلوٰۃ الجمعہ کے بعد تقریباً دس منٹ تک اردو میں پھر عربی میں دعائیں کی جاتی ہیں، جن کی حیثیت نہ فرض کی ہے اور نہ سنت کی۔ پھر اس کے بعد تقریباً پندرہ منٹ تک لوگ نوافل پڑھتے رہتے ہیں، اس کے بعد پھر دعا ہوتی ہے اور پھر صلوٰۃ الجمعہ کے آدھ گھنٹہ بعد اعلان ہوتا ہے کہ مسجد کے باہر آجائیں، صلوٰۃ الجنازہ کے لیے۔ اور اس وقت تک تقریباً (۷۰) ستر فیصد نمازی مسجد سے جا چکے ہوتے ہیں، بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ باقی بچنے والوں میں زیادہ تر میت کے عزیز و اقارب ہی ہوتے ہیں اور وہ بھی شدید اضطرابی کیفیت میں نظر آتے ہیں اور اس تمام وقت میں میت دھوپ اور گرمی میں پڑی رہتی ہے۔ یہ

عمل صلوٰۃ الجمعہ کے علاوہ دوسری نمازوں میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

یہ ذکر یہاں پر نہایت افسوس اور کرب کے ساتھ کیا جارہا ہے، کیونکہ یہ عمل نہایت نامناسب، نہایت افسوسناک اور سنت نبوی کے بالکل خلاف ہورہا ہوتا ہے۔ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ صلوٰۃ الجمعہ کے فوراً بعد صلوٰۃ الجنازہ کیوں ادا نہیں کی جاتی اور اس وقت میت مسجد کے اندر کیوں نہیں لائی جاسکتی؟ جبکہ مسجد الحرام اور مسجد النبوی میں ایسا ہی ہوتا ہے، جو دنیا میں درجے میں اعلیٰ ترین مساجد ہیں۔ یہ بات لوگوں کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی کہ صلوٰۃ الجمعہ کے فوراً بعد صلوٰۃ الجنازہ ہونی چاہیے، کیونکہ یہ اس وقت عین فرض نماز کا درجہ رکھتی ہے، جبکہ ان لوگوں کے لیے فرض کفایہ ہوتی ہے جو میت کے محلے دار ہوتے ہیں۔ اہلِ مسجد فرائض کو چھوڑ کر غیر فرض اور غیر سنت باتوں پر عمل کررہے ہوتے ہیں۔ سنت نوافل ادا کرنا فرائض سے پہلے ہرگز درست بات نہیں اور نہ ہی صلوٰۃ کے بعد دعا مانگنا۔ یہ سب کام صلوٰۃ الجنازہ کے بعد ہونے چاہئیں۔

یہ ہے فرائض ارکان کی مسجدوں میں پامالی۔ کہ فرائض چھوڑ کر خود ساختہ عبادات اور نوافل اور سنتوں پر عمل کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اِنَّ لِلّٰہِ وَاِنَّ اِلَیہِ رَاجِعُون۔ یہ ہے سنت نبویؐ سے انحراف، اور نہایت غور طلب بات!

(iii) بروز جمعہ کے اعمال مسنونہ

جمعہ کا روز ایک فضیلت والا دن ہے، اس روز تخلیق آدم ہوئی، اور اسی روز وہ جنت میں داخل کیے گئے اور اسی روز وہ زمین پر بھیجے گئے اور اسی روز قیامت بھی برپا کی جائے گی۔ لہٰذا اس روز اللہ تعالیٰ کے ذکر اور صلوٰۃ علی النبیؐ کا خاص اہتمام کیا جانا چاہیے۔

عالیجناب رسول کریمؐ کے فرمان مبارک ہیں کہ:

(۱) بروز جمعہ ہر مسلمان پر غسل واجب ہے (صحیح مسلم و بخاری)

(۲) بروز جمعہ صاف کپڑے پہنیں اور خوشبو استعمال کریں۔ (مسند احمد و سنن ابی داؤد)

(۳) جناب نبی کریمؐ نے فرمایا: کہ ''بروز جمعہ جو شخص مجھ پر صلوٰۃ بھیجے گا، جمعہ کی رات اور جمعہ کے دن تو میں قیامت کے روز اس کا سفارشی اور گواہ بنوں گا''۔ (البیہقی)

ابوداؤد کے مطابق جمعہ کے روز جناب رسول کریمؐ کی خدمت میں وہ سلام پیش کیے جاتے

ہیں، جو آپؐ کے امتی آپؐ کو بھیجتے ہیں۔

ویسے تو ہر روز جناب رسول کریمؐ کے لیے صلوٰۃ وسلام بھیجنا یا کہنا ہر مسلمان کے لیے فرض ہے، لیکن شبِ جمعہ اس کا خاص اہتمام کرنا حُبِّ رسول کا اعلیٰ ذریعہ بن سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان مبارک ہے، سورۃ احزاب (۳۳) کی آیت (۵۶) میں کہ: ''اللہ اور اس کے فرشتے صلوٰۃ بھیجتے ہیں نبیؐ پر، تو اے ایمان والو! صلوٰۃ بھیجو ان پر اور سلام بھی'' اس آیت مبارکہ کی تشریح کے سلسلے میں اصحابہ کرام نے عرض کیا کہ: یارسول اللہؐ! ہمیں آپؐ پر سلام بھیجنا تو آتا ہے، لیکن ہم آپ پر صلوٰۃ کیسے بھیجیں؟ اس کے جواب میں عالی مکرم جناب رسول کریمؐ نے وہ صلوٰۃ پڑھ کر بتائی جسے زبان اردو کے عرف عام میں اور فارسی میں بھی، درودِ ابراہیمی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے ہم اس صلوٰۃ ابراہیمی کو ہر صلوٰۃ کے تشہد میں پڑھتے ہیں۔

(iv) ہفتہ وار اجتماعی عبادت

ویسے تو روزانہ پانچوں صلوٰتیں مسجد میں جاکر اجتماعی طور پر ادا کرنے کی تاکید ہے، لیکن صلوٰۃ الجمعہ تو مسجد کے بغیر ادا ہی نہیں ہوسکتی۔ اس وجہ سے کہ ہفتہ وار ایک اجتماعی عبادت فرض کردی گئی ہے جبکہ پچھلی امتوں میں بھی ہفتہ وار اجتماعی عبادت مقرر تھی۔

اس کا پہلا بڑا مقصد یہ ہے کہ حاکم وقت، جو کوئی بھی ہوسکتا ہے، یعنی ایک چھوٹے دیہات سے لے کر قصبے اور شہر اور دارالخلافہ کی حد تک، چاہے وہ حکومت کے مقرر کردہ ہوں یا انہیں عوام الناس نے متفقہ رائے سے منتخب کیا ہو، وہ اپنے عوام کے سامنے آئیں اور ان سے خطاب کریں۔ اگر عوام نے ان سے کوئی سوال کرنا ہو تو وہ کرسکیں۔ خلفائے راشدین کے دور میں ایسا ہی ہوتا تھا۔ اور بعد کے کچھ ادوار میں بھی ایسا ہوتا رہا۔ اور آج بھی ایسا ہوسکتا ہے۔

لیکن جب اسلامی مملکت کے درویش صفت خلفاء کے بعد حکمرانوں نے فقیری کی بجائے شاہی روپ اور انداز اپنالیا تو انہوں نے جناب رسول اللہؐ کے دور اور آپ کے درویش اور فقیر خلفاء کی تقلید چھوڑ کر اسلامی اصولوں سے کنارا کشی اختیار کرلی اور صلوٰۃ الجمعہ کی امامت سرکاری مولویوں کے حوالے کردی۔ تاکہ وہ شاہ وقت کے احکامات کے اعتبار سے لوگوں کو نصیحت اور آگاہی بخشتے رہیں اور انہیں شاہ وقت کی فرمانبرداری کی طرف راغب کرتے رہیں۔

حالانکہ صلوٰۃ الجمعہ اور خاص کر خطبہ جمعہ کا مقصد یہ تھا اور یہی ہے کہ اپنے اپنے علاقے کا حاکم عوام الناس کے سامنے ہر ہفتے جائے اور انہیں اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کے احکامات کی پابندی کی ہدایت کرے، اور رفاہِ عامہ کے کاموں کے متعلق ان کو آگاہ کرے، اور مزید یہ کہ ان کی تکالیف سے بھی آگاہی حاصل کرے۔ تاکہ ان کا تدارک ہو سکے۔

لیکن امت مسلمہ کی بدبختی کہ جب مسلمان حکمرانوں اور ان کے نائبین نے دین سے (غفلت کے باعث) تقریباً قطع تعلق کر لیا تو یہ دینی فرائض یعنی اقامت الصلوٰۃ کی ذمہ داری پند ونصیحت اور احیائے علوم الدین کی نہایت اہم بلکہ اہم ترین ذمہ داری علماء دین نے اپنے ذمہ لے لی اور تاحال یہ سلسلہ صدیوں سے جاری وساری ہے، لیکن امت کے لیے ایک اور بدقسمتی کی بات یہ ہوئی کہ ان علمائے حق کے ساتھ ساتھ علمائے سوء بھی اس میدان میں آ گئے۔ اور یہ علماء سوء میں حقیقت میں حکمرانوں کی نمائندگی کرتے تھے اور انہوں نے دین کو کمائی کا ذریعہ بنالیا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس معاملے میں منافقینِ وقت جن کی موجودگی جناب رسول کریمؐ کے وقت سے ہی تھی، ان کا بھی ہاتھ تھا اور ساتھ ہی ان علماء کا جنہوں نے یونانی فلسفے کو دین کے ساتھ ملانے کی کوشش کی، اور جن کی بنیاد پر اسلام میں فلسفے کی بنیاد پڑی اور اسلام کے نام پر شر انگیز مسائل پیدا کیے گئے اور ان پر قیاس کر کے غیر اسلامی مفروضے قیاس کیے اور دین میں نئے نظریات کی بنیاد رکھی۔ ان میں چند ایک یہ ہیں جیسے نظریہ جبریہ وقدریہ، نظریہ وحدت الوجو، فتنہ باطنیت (یعنی قرآن کے دو معنی) فتنہ خلق القرآن وغیرہ وغیرہ۔ اس موضوع کو یہاں زیر بحث لانا ممکن نہیں، کیونکہ یہ ایک طویل موضوع ہے، اس کے ذکر کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ قرآن اور سنت سے کس طرح سے انحراف شروع ہوا۔ اور وہ انحراف مسلم معاشرے میں اس قدر جڑیں گاڑ گیا کہ اس کے خلاف بات کرنا ایک مشکل کام بن گیا ہے۔

بہر حال امت مسلمہ سے ہی التماس ہے کہ خطبہ جمعہ کے ذریعہ عوام میں قرآن اور سنت کا صحیح شعور پیدا کیا جائے۔ اور انہیں ان کاموں سے منع کیا جائے جو خلافِ قرآن اور خلافِ سنت رسول کریمؐ ہیں۔ صلوٰۃ الجمعہ کا دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ بستی کے لوگ ہفتہ میں ایک روز اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء اور ذکر اور دعائیں اجتماعی طور پر کرنے کا اہتمام کرنے کے ساتھ ساتھ دین کو سمجھنے

اور اپنے ایمان کی تجدید کرنے کا ذریعہ بھی بنائیں۔ اس کے علاوہ اجتماعی عبادت کا یہ مقصد بھی ہے کہ کسی بستی یا آبادی یا محلے کے لوگ ایک دوسرے سے ملیں اور ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی حاصل کریں۔ اور اس بات کی فکر کریں کہ بستی کا کوئی گھر یا کوئی شخص کسی پریشانی یا مصیبت میں گرفتار تو نہیں اگر ایسا ہے تو اجتماعی طور پر یا صاحب حیثیت افراد انفرادی طور پر صاحب ضرورت افراد یا خاندان کی ممکنہ مدد کر سکیں۔ کیونکہ ایسا کرنا بھی اجتماعی ضرورت ہے۔ علاوہ ازیں کئی ایک فلاحی کام اپنے محلے کے لوگوں کے لیے بھی کیے جا سکتے ہیں۔ اور مساجد کا استعمال فلاح وبہبود کے مرکز کے طور پر اور تعلیمی مرکز کے طور پر بھی کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ سے عرض گزارش ہے کہ امت مسلمہ اس اجتماعی عبادت کے فیوض وبرکات سے بہرہ مند ہو جائے۔ آمین

(v) صلوٰۃ الجمعہ میں خواتین کی شمولیت

مسجد النبوی شریف اور مسجد الحرام میں باقاعدگی کے ساتھ پانچوں وقت، جمعہ اور عیدین کی صلوٰۃ میں خواتین کی باقاعدہ شرکت جناب نبی کریمؐ کے دورِ مبارک سے رائج ہے۔ لیکن برصغیر کے علماء نے خواتین پر مسجد میں آنے پر پابندی لگا دی ہے۔ اسی لیے پورے برصغیر میں کوئی ایسی مسجد نہیں ہے جس میں خواتین کے لیے صلوٰۃ کا بندوبست کیا گیا ہو۔ اس موجودہ دور میں کچھ ترقی یافتہ علاقوں میں چند مساجد میں ایسا اہتمام کیا گیا ہے جو نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ بات خاص طور پر قارئین کے گوش گزار کرنا ضروری ہے کہ چین کے دارالحکومت میں ایک مسجد گزشتہ ایک ہزار برس سے زیادہ عرصے سے موجود ہے، جہاں خواتین کے لیے گزشتہ زمانے سے ہی علیحدہ صلوٰۃ ادا کرنے کا بندوبست کیا گیا تھا، اور وہاں کمیونسٹ دور میں بھی باقاعدہ طور پر پنجگانہ صلوٰۃ ہوتی تھی اور خواتین اس میں شرکت کرتی تھیں۔ اسی طرح سے خطہ عرب کی ہر مسجد میں خواہ وہ شہر کی ہو یا دیہات کی، وہاں خواتین کی صلوٰۃ کا خاص بندوبست موجود ہوتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ برصغیر کے علماء نے خواتین کے مسجد نہ آنے کا فتویٰ دینے میں جناب رسول کریمؐ کے اس فرمانِ مبارک کا سہارا لیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا: ''گھر بہتر ہیں، ان کے''۔ یہ حدیث نامکمل طور پر پیش کی گئی ہے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ فرمان جناب رسول اللہؐ کا مسجد میں

آنے سے روکنے کے لیے ہے۔اس میں تو کوئی شک نہیں کہ خواتین کے لیے کیا، مردوں کے لیے بھی ان کے گھر ہی بہتر ہیں، کیونکہ وہ ان کے آرام اور حفاظت کی جگہ ہوتے ہیں۔ حیرت کی بات ہے کہ علمائے برصغیر نے جناب رسول کریمؐ کے درج ذیل فرمان مبارکہ کو کیونکر نظر انداز کر دیا۔

مسند احمد اور سنن ابوداؤد کے مطابق جناب رسول کریمؐ کا فرمان مبارک ہے کہ ''عورتوں کو اللہ کی مساجد سے نہ روکو''۔

اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جناب رسالت مآب سے چند عورتوں نے شکایت کی تھی کہ ان کے مرد انہیں رات کی صلوٰۃ کے لیے مسجد آنے کی اجازت نہیں دیتے، اس پر جناب رسالت مآب نے حکم دیا کہ عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکا جائے۔لیکن اجازت کے بعد خواتین کو یہ بھی باور کرادیا کہ:

مسند احمد و ابوداؤد کے مطابق فرمایا کہ: ''وہ (عورتیں) سادہ انداز میں (مسجد) آئیں اور خوشبو کا استعمال نہ کریں، اس لیے کہ خوشبو لگا کر مسجد آنا ان کے لیے حلال نہیں''۔

صحیح مسلم کے مطابق جناب رسول کریمؐ نے فرمایا کہ:

''عورت خوشبو استعمال کر کے ہمارے ساتھ عشاء کی صلوٰۃ میں نہ آئے''۔

لہٰذا یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے عورتوں کو مسجد میں آنے سے کبھی نہیں روکا، اسی لیے آپ کی مسجد میں آج تک عورتیں پنجگانہ صلوٰۃ کے لیے باقاعدگی سے حاضر ہوتی ہیں۔

خواتین کا تعلق جب سے مسجد سے ٹوٹ گیا ہے اس وقت سے ہی وہ اپنی اولاد کی تربیت بھی صحیح طریقے سے نہیں کر پائیں اور تاریخ اس کی گواہ ہے۔ اگر مسلمان قوم کو تعلیم یافتہ کرنا ہے، صحیح مسلمان بنانا ہے تو پھر عورتوں کو بھی زیور تعلیم سے آراستہ کیا جانا چاہیے اور ان کا تعلق مسجدوں سے جوڑنا چاہیے، تاکہ ان کی دینی تعلیم جاری و ساری رہے۔ کیونکہ وہ دین کے معاملے میں ایک سال کے عرصے میں کم از کم (۵۲) باون لیکچر سن لیں گی، یعنی ہر جمعہ ایک۔

۲۔ صلوٰۃ القصر

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دوران سفر صلوٰۃ کی ادائیگی میں خاص رعایت عطا فرمائی اور سورۃ النساء (۴) کی آیت (۱۰۱) میں فرمایا کہ:

''اور جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے''۔

دراصل یہ رعایت اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر اس وقت دی تھی کہ جب مسلمانوں کی ایک محفوظ ریاست معرض وجود میں نہ آئی تھی، اور انہیں راستے میں دشواری اور دشمن کا خوف لاحق رہتا تھا۔لہٰذا اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت کو یہ رعایت مرحمت فرمائی گئی، اور قصر میں دو رکعت کے بدلے دو ہی، اور تین کے بدلے تین ہی جبکہ چار کے بدلے دو رکعت کر دی گئی۔

لیکن جب مسلمانوں کی ریاست مستحکم ہو گئی اور سفر بھی ان کے لیے پُرخطر نہ رہا، تو بھی یہ رعایت جوں کی توں برقرار رکھی گئی۔ جس کے لیے اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ:

''یہ (قصر) تم پر اللہ کی طرف سے ایک صدقہ (خیرات) ہے، تو تم اسے قبول کرو''۔

اور دوسری بات یہ بھی اس دوسرے حکم سے واضح ہو جاتی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خیرات دے کر واپس لے لیتے تو یہ بات اللہ جل شانہٗ کے شایان شان نہ تھی۔ اوپر بیان کی گئی حدیث بخاری و مسلم میں نقل ہے۔

لہٰذا اب یہ رعایت فرمانِ رسول بن گئی جسے آپؐ نے اپنے عمل کے ذریعے سنت مؤکدہ بنا دیا۔ جناب رسول کریمؐ نے جب فتح مکہ کا سفر کیا تو اس سفر میں آپؐ نے مکہ میں (۱۹) انیس روز اقامت اختیار رکھی، جبکہ جنگ تبوک میں آپؐ نے وہاں (۲۰) بیس روز قیام فرمایا۔ اور اس میں سفر کا دورانیہ ان ایام کے علاوہ ہے۔ آپؐ نے ان دونوں سفروں کے دوران اور اس کے علاوہ دیگر سفروں میں بھی صلوٰۃ قصر فرمائی۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ کتنی مقدار کا سفر ہو کہ قصر کیا جائے۔اس سلسلے میں بخاری میں لکھا ہے کہ جناب نبی کریمؐ نے ایک دن اور ایک رات کے سفر میں قصر اختیار کیا۔ ابن عمرؓ اور ابن عباسؓ جب چار بُرد (۴۸ میل) سفر کرتے تو نہ روزہ رکھتے، یعنی روزے کی قضا کرتے اور نماز میں قصر کرتے۔ لیکن یہ مسافت جناب نبی کریمؐ نے بطور پیمانہ مقرر نہیں فرمائی۔ اس لیے اس میں اختلاف ہے۔ اور مسلم کی ایک حدیث کا حوالہ دیا گیا ہے کہ ''جناب نبی کریمؐ تین میل یا نو میل کے سفر پر نکلتے تو دو رکعت پڑھتے''۔

بخاری کی ایک حدیث کے مطابق جناب اَنس بن مالکؓ نے فرمایا کہ:

''میں نے جناب نبی کریمؐ کے ساتھ چار رکعت ادا کیں، مدینہ میں اور پھر دو رکعت (قصر) ادا کیں ذوالحلیفہ میں۔ جبکہ ذوالحلیفہ مدینہ سے تقریباً ۱۰۔۱۲ کلومیٹر پر واقع ہے اور نو میل سے کم ہے۔ اسی لیے یہ کہا گیا ہے کہ مسافر سفر کے دوران اپنے شہر کی آبادی سے باہر نکل کر قصر کرسکتا ہے اور واپسی پر شہر کی حدود میں آنے سے پہلے پہلے قصر کرسکتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر مسافر کا چار یا زائد روز کے لیے ٹھہرنے کا پختہ ارادہ ہوجائے تو پھر پوری صلوٰۃ ادا کرے گا۔ لیکن اس کے لیے پھر دیکھنا ہوگا کہ کیا اس قیام میں بھی سفر کی صعوبتیں باقی ہیں کہ نہیں؟

۳۔ صلوٰۃ کا جمع کرنا

جناب نبی کریمؐ کی سنت مبارکہ کے مطابق خاص موقعوں پر دو صلوٰۃ کا جمع کرنا ملتا ہے۔ یعنی دورانِ سفر یا شدید غیر معمولی موسم کے دوران، اس بات کی اجازت ہے کہ صلوٰۃ الظہر اور صلوٰۃ العصر کو ایک ہی وقت اور صلوٰۃ المغرب اور صلوٰۃ العشاء کو ایک ہی وقت ادا کیا جا سکتا ہے۔ ان دونوں صلوٰۃ کو اول وقت بھی جمع کرسکتے ہیں اور آخری وقت پر بھی۔ یعنی ظہر اور عصر کو یا ظہر کے وقت ملا کر پڑھ لیں یا عصر کے وقت۔ اسی طرح سے مغرب اور عشاء کی صلوٰۃ کو یا مغرب کے وقت ملالیں یا عشاء کے وقت، جیسا بھی موقع یا سہولت ہو۔

ایسی صورت میں ایک اذان اور دو اقامت میں ایک ساتھ ان دو اوقات کی صلوٰۃ کو جمع کیا جاسکتا ہے۔ اس کی بہترین مثال جو صحیح مسلم میں بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ جناب رسول کریمؐ نے ظہر اور عصر کی صلوٰۃ ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ ادا کیں، میدانِ عرفات میں ظہر کے وقت اپنے حج کے دوران۔ اور پھر اسی روز مغرب کی اور عشاء کی صلوٰۃ ادا کیں، ایک اذان اور دو اقامت کے ساتھ مزدلفہ کی وادی میں عشاء کے وقت اور یہ ساری قصر صلوٰۃ تھیں۔ یہ سنت مبارک تا حال جاری ہے اور تمام حاجی ایسا ہی کرتے ہیں۔

بخاری اور مسلم کے مطابق جناب نبی کریمؐ نے مقام تبوک پر بھی اسی طرح سے دو صلوٰۃ جمع کرکے ادا کیں۔ اس کے علاوہ صحیح بخاری کے مطابق ایک بارش کی رات مغرب اور عشاء کو ایک ساتھ جمع کیا۔ اس لیے فقہ کے مطابق خوف اور بیماری کی حالت میں بھی اسی طرح سے

مذکورہ صلوٰۃ کو جمع کیا جا سکتا ہے۔

صحیح مسلم اور بخاری کی روایت کے مطابق جناب ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

''نبی کریمؐ نے مدینہ میں ظہر اور عصر کی آٹھ اور مغرب اور عشاء کی سات رکعتیں ایک ساتھ ادا فرمائیں''۔

۴۔ بیماری میں ادائیگی صلوٰۃ

صحیح بخاری کے مطابق عمران بن حصینؓ کی روایت ہے کہ جناب نبی کریمؐ کا قولِ مبارک ہے کہ ''کھڑے ہوکر صلوٰۃ ادا کیا کرو' اگر اس کی طاقت نہیں تو بیٹھ کر، اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں تو پہلو پر لیٹ کر، اور اگر اس کی بھی طاقت نہیں ہے تو پھر چت لیٹ کر ہی صلوٰۃ ادا کرو''۔

اس رعایت کے دو پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ ایک تو اس رعایت میں صلوٰۃ کی اہمیت اور پابندی ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور بندے کا حتی الامکان اپنی نیاز مندی کے ساتھ پیش ہوکر اس کی عظمت اور بلندی بیان کرنا اور اس کی تسبیح کرنا۔ اور دوسری بات یہ ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے سے مراد ہے کہ اللہ کے حضور اس کا بندہ انتہائی انکساری، انتہائی بندگی اور انتہائی پست حالت میں پیش ہوکر اس کی بڑائی اور تعریف بیان کرے، یہی سجدہ ہے۔

۵۔ صلوٰۃ الخوف

صلوٰۃ الخوف کا مطلب ہے خطرے اور خوف کی حالت میں صلوٰۃ کا ادا کرنا۔ جیسے دورانِ جنگ، میدانِ جنگ میں یا راستے میں یا اپنے اپنے مورچوں میں حالت سفر میں یا حالت قیام میں، جیسا بھی ہو اللہ تعالیٰ نے اس دوران صلوٰۃ کی ادائیگی میں خاص رعایت عطا فرمائی ہے اور فرمایا ہے سورہ النساء (۴) کی آیت (۱۰۲) میں کہ:

''جب تم (اے محمد) ان کے درمیان ہو اور صلوٰۃ میں ان کی امامت کرا رہے ہو، تو پھر ان کی یعنی مقتدیوں کی ایک جماعت کھڑی ہوجائے (صلوٰۃ کے لیے) تمہارے ساتھ اپنے ہتھیاروں کے ساتھ اور جب وہ اپنے سجدے مکمل کرلیں تو اپنی اپنی جگہ پر واپس چلے جائیں، پچھلی طرف اور پھر دوسری جماعت شامل ہوجائے جنہوں نے ابھی تک صلوٰۃ ادا نہیں کی اور وہ ادا کرلے

تمہارے ساتھ اپنے ہتھیاروں اور سامان کے ساتھ اور تمام تر حفاظتی تدابیر اختیار کرنے کے بعد۔ وہ جو ایمان والے نہیں ہیں ان کی خواہش ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور سامان حرب سے غافل ہو جاؤ، تاکہ وہ تم پر بھرپور حملہ کر سکیں۔ لیکن تم پر کوئی گناہ نہیں، اگر تم اپنے ہتھیار ساتھ نہ رکھو بارش کی وجہ سے یا یہ کہ تم بیمار ہو، لیکن ہر طرح سے اپنی حفاظت کے لیے تدابیر اختیار کرو۔ بے شک !اللہ نے تیار کر رکھا ہے ایک ذلت آمیز عذاب ان کے لیے جو ایمان نہیں رکھتے''۔

اس آیت کریمہ میں صلوٰۃ الخوف کا طریقہ واضح کیا گیا ہے جو سفر کی حالت میں ہو۔ لیکن جب مجاہدین اپنے ہی شہر میں مقیم ہوں تو پھر چار رکعت ہی ادا کی جائیں گی، دو کی بجائے۔ اس میں مقتدی دو رکعت جبکہ امام چار رکعت ادا کرتا ہے جبکہ سفر میں یا شہر کے باہر جنگ میں مقتدی ایک، ایک جبکہ امام دو رکعت ادا کرتا ہے۔ اس حالت میں کہ جب شدید جنگ کی حالت ہو اور سپاہ کو بہت زیادہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہو اور صلوٰۃ کے لیے جماعت تشکیل دینے کی گنجائش باقی نہ رہے تو پھر ایسی صورت میں انفرادی طور پر صلوٰۃ ادا کی جائے کسی بھی حالت میں یعنی چلتے پھرتے، یا کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا سواری پر، چاہے کعبہ کی طرف رُخ ہو یا نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خاص رعایت سورہ بقرہ کی آیت (۲۳۹) میں عنایت فرمائی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ: ''اگر تمہیں دشمن کا خوف ہو تو ادا کرو صلوٰۃ اپنے پاؤں پر یا سوار ہو کر''۔ یہ آیت کریمہ بہت ہی زیادہ اہمیت کی حامل ہے ان لوگوں کے لیے بھی جنہیں خوف لاحق نہیں لڑائی کا یا کوئی اور۔ تاکہ وہ صلوٰۃ کی اہمیت کا اندازہ لگا سکیں کہ یہ کس قدر اہمیت کی عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی حالت میں صلوٰۃ کی معافی نہیں دی، بلکہ صلوٰۃ ادا کرنے کی شرائط کو بے حد نرم کر دیا ہے۔ اس لیے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ادائیگی صلوٰۃ میں ہرگز کوتاہی نہ کریں اور ادائیگی صلوٰۃ کا صحیح طریقے اور صحیح وقت پر اہتمام کریں۔

۶۔ صلوٰۃ العیدین

صلوٰۃ العیدین سالانہ قومی اجتماعی عبادات ہیں، اور سنت مؤکدہ ہیں، یعنی واجب کا درجہ رکھتی ہیں۔ جناب نبی کریمؐ نے سال میں دو مرتبہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ ادا کیں، اور حکم دیا کہ

بچے اور خواتین بھی اس میں شرکت کریں۔ عید الفطر رمضان المبارک کے روزوں کی خوشی منانے کا دن ہے۔ جبکہ عید الاضحیٰ جناب ابراہیمؑ و جناب اسماعیلؑ کی قربانی کی قبولیت کے بعد جناب اسماعیلؑ کی جگہ مینڈھا ذبح ہونے کی سنت ادا کرنے کے لیے قربانی کر کے خوشی منانے کا دن ہے۔

ان دونوں عیدوں میں غرباء اور مساکین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص اہتمام کیا جانا معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ عید الفطر میں ہر باحیثیت یعنی جو زکوٰۃ ادا کرتا ہو، اسے اپنی حیثیت کے مطابق فطرہ ادا کرنا ہوتا ہے، جو غرباء اور مساکین میں تقسیم کیا جانا ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔ جبکہ عید الاضحیٰ میں صاحب حیثیت افراد کے لیے قربانی کر کے اس کا گوشت غرباء اور مساکین میں تقسیم کرنا ضروری ٹھہرا دیا گیا ہے۔ اس طرح سے ان دونوں عیدوں میں غرباء اور مساکین کے لیے خاص اہتمام معلوم ہوتا ہے۔

ان خوشی کے موقعوں کی خاص بات یہ ہے کہ بستیوں کے لوگ اپنے گھروں سے نکل کر کھلے میدانوں میں آجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتے ہیں، یعنی تکبیرات کہتے ہیں، اور پھر اللہ کے حضور قیام، رکوع وسجود کر کے اس کی پاکی اور بڑائی بیان کرتے ہیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ غرباء اور مساکین کا خیال کرتے ہیں ان کو فطرہ اور قربانی کا گوشت دے کر۔

جناب انسؓ کی روایت ہے صحیح بخاری کے حوالے سے، کہ جب رسول کریمؐ مدینہ تشریف لائے تو وہاں کے لوگ سال میں دو روز کھیل کود میں مصروف رہتے تھے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا کہ:

''اللہ نے تمہیں ان کے بدلے اس سے بہتر دن دیے ہیں'' فطر اور ضحیٰ کا روز''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو جب حوضِ کوثر کی بشارت سنائی سورہ کوثر (۱۰۸) کی پہلی آیت میں، تو اس کے بعد دوسری آیت میں فرمایا کہ:

''اس لیے (یعنی نعمت حوض کوثر کی خوشخبری سن کر) متوجہ ہو جاؤ اپنے رب کی طرف صلوٰۃ کے ذریعے، اور قربانی کرو''۔

چنانچہ فقہاء نے اس آیت کریمہ کو صلوٰۃ العید الاضحیٰ اور قربانی سے تعبیر کیا ہے۔ اس کے علاوہ سورہ الاعلیٰ (۸۷) کی آیت (۱۵۔۱۴) میں فرمایا گیا ہے کہ:

''بے شک جو اپنے آپ کو پاک کرے گا، وہی کامیابی حاصل کرے گا''۔

''اور وہی ذکر کرتا ہے اپنے رب کا اور ادا کرتا ہے صلوٰۃ''۔

اس آیت کریمہ میں ''پاک'' کرنے سے مراد ہے اپنی دولت کو زکوٰۃ اور صدقہ کے ذریعہ پاک کرنا۔

اور اس سے صدقہ فطر بھی مراد لیا گیا ہے۔ کیونکہ ایک روایت کے مطابق جناب عمر بن عبدالعزیزؒ لوگوں کو حکم دیا کرتے تھے صدقہ فطر ادا کرنے کا، اور ساتھ ہی مذکورہ آیت (۱۴) پڑھتے تھے۔

۷۔ صدقہ عیدالفطر

جیسا کہ قبل ازیں بیان کیا گیا ہے سورۃ الاعلیٰ کی آیت (۱۴) میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ: ''بے شک! جو اپنے آپ کو پاک کرے گا وہی فلاح پائے گا''۔ اس کی تعبیر خیرات اور زکوٰۃ سے بھی ہے۔ کیونکہ اس سے انسان کا مال پاک ہوتا ہے، اور ایمان سے انسان کا قلب پاک ہوتا ہے۔ صدقہ وخیرات کے لیے بے شمار آیاتِ کریمہ قرآن میں موجود ہیں۔ جہاں صدقہ اور خیرات کا ذکر کیا گیا ہے اور صدقہ فطر بھی اسی میں آتا ہے۔

لیکن صدقہ فطر کا فرض کرنا عالیجناب رسول کریمؐ کی ایک حدیث مبارکہ میں بھی آیا ہے۔ صحیح بخاری اور مسلم میں جناب ابن عمرؓ کی ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ:

''عالیجناب رسول کریمؐ نے غلام اور آزاد مرد، عورت، چھوٹے بڑے سب مسلمانوں پر صدقہ فطر ادا کرنا لازم کیا ہے، یعنی ہر ایک پر کھجور یا جَو کا ایک ایک صاع (ڈھائی کلو)

ابوداؤد وسنن ابن ماجہ وحاکم کے مطابق ابن عباسؓ کا قول ہے کہ:

''عالیجناب رسول کریمؐ نے فرمایا کہ: ''روزہ دار کو فضول اور بیکار (باتوں اور اعمال) سے پاک کرنے کے لیے اور مساکین کو خوراک فراہم کرنے کے لیے صدقہ فطر فرض کیا ہے''۔

جناب رسول کریمؐ کے فرمانِ مبارک سے آپؐ کی یہی منشاء معلوم ہوتی ہے کہ عید کے خوشی والے دن مساکین کو سوال کرنے سے بے نیاز کر دیا جائے۔ اور صاحب حیثیت افراد خود جا کر انہیں خوشی کا موقع فراہم کریں۔ دوسری بات اس میں یہ سمجھ میں آتی ہے کہ گھر کا سربراہ یعنی صاحب خانہ گھر کے تمام افراد (مع ملازمین) کی طرف سے فطرہ ادا کرے۔ کیونکہ گھریلو

ملازمین گھر کے افراد کے زمرے میں ہی آتے ہیں۔ اس لیے ان کا مالک ہی ان کی طرف سے فطرہ ادا کرے۔ کیونکہ آج کے دور میں غلام نہیں ہیں، بلکہ ان کی جگہ ملازمین نے لے لی ہے اور جناب رسول کریمؐ کا قول مبارک ہے صاحب خانہ غلاموں کی طرف سے بھی فطرہ ادا کرے۔

فطرے کے بارے میں نہایت اہم بات جس کی آگاہی دینی طبقے کی طرف سے بھی عام طور پر نہیں ہوتی وہ یہ ہے کہ فطرہ کی شرح ہر شخص کے لیے ایک جیسی نہیں ہوتی، بلکہ حیثیت کے مطابق فطرہ ادا کرنے کی مختلف شرح ہیں۔ صحیح بخاری اور مسلم میں جناب ابوسعید خدریؓ کی ایک روایت نقل کی گئی ہے، جس کے مطابق عالیجناب رسول اللہؐ کے زمانے میں چھوٹے بڑے، آزاد اور غلام کی طرف سے ایک صاع یعنی ڈھائی کلو مقدار میں طعام، یا ایک صاع پنیر، یا ایک صاع جَو، یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع کشمش نکالتے تھے۔

لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ کشمش کون دے گا؟ اور جَو کون دے گا؟ کھجور کون دے گا؟ اور پنیر کون دے گا؟ کیونکہ جنوبی ایشیا کے لوگوں میں تو سابقہ کئی صدیوں سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں اعلان کیا جاتا ہے ڈھائی کلو گندم کی قیمت کے مطابق فطرہ ادا کریں اور ہر طبقے کا شخص اسی شرح پر فطرہ ادا کرتا چلا آیا ہے۔ اس اکیسویں صدی عیسوی کی پہلی دھائی میں کچھ اداروں نے سنت نبوی کے مطابق فطرے کی رقم بتانا شروع کی ہے۔ لیکن ایسے اداروں کی تعداد فی الحال نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس کے علاوہ جَو کے بدلے گیہوں کو لیا گیا ہے تو اس میں بھی ایک نقطہ سامنے آتا ہے۔ وہ یہ کہ جنوبی ایشیا کے لوگوں میں کچھ لوگ جو تو نہیں بلکہ جوار، باجرہ اور مکئی کا استعمال کرتے ہیں۔ کچھ لوگ سب سے کم درجے کے چاول استعمال کرتے ہیں لیکن کچھ لوگ اعلیٰ قسم کے مہنگے چاول استعمال کرتے ہیں یا گندم کا آٹا۔ کچھ لوگوں کا کھانا ایک وقت کا (۸۰ روپے) کا ہوتا ہے کچھ کا (۱۵۰) کا کچھ کا (۳۰۰) کا کچھ کا (۱۰۰۰) کا اور کچھ کا (۱۵۰۰) کا۔ اور جن لوگوں کا کھانا (۸۰) سے کم ہوتا ہے وہ تو خیر فطرہ دینے کے قابل ہی نہیں ہوتے اور ان پر فطرہ واجب بھی نہیں ہوتا۔

ویسے بھی اگر اجناس کا حساب لگایا جائے تو گندم فی کلو ۴۰ تو ڈھائی کلو کے ہوئے ۱۰۰، چاول ۸۰ سے لے کر ۱۴۰ تک تو اس کے مطابق ہوئے ڈھائی کلو کے ۲۰۰ اور ۳۵۰ روپے۔ اور

کھجور کم از کم (۳۰۰) تو ڈھائی کلو کے ہوئے (۷۵۰) روپے، کشمش ہوئی ۶۰۰ تو ڈھائی کلو کے ہوئے ۱۵۰۰ روپے۔ اسی طرح پنیر ہوئی ۸۰۰ تو ڈھائی کلو کے ہوئے ۲۰۰۰ روپے اس طرح سے فطرہ کی درج شرح ہوتی ہے، مختلف طبقوں کی استعداد کے مطابق:

۱۔ ۱۰۰ روپے	۲۔ ۲۰۰ روپے
۳۔ ۳۵۰ روپے	۴۔ ۷۵۰ روپے
۵۔ ۱۰۰۰ روپے	۶۔ ۱۵۰۰ روپے
۷۔ ۲۰۰۰ روپے	

یعنی فطرہ عیدالفطر کی شرح فی کس ۱۰۰ روپے سے لے کر ۲۰۰۰ تک بنتی ہے۔ اب یہ معاملہ ہر شخص کو سمجھ لینا چاہیے اور یہ ہر شخص کو انفرادی طور پر اس کی صوابدید پر چھوڑ دینا چاہیے کہ وہ کس نصاب میں آتا ہے۔ لہٰذا وہ یہ فیصلہ خود اپنی سمجھ کے مطابق اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے کریں کہ اس کا نصاب ۱۰۰ روپے سے لے کر ۲۰۰۰ روپے تک میں کیا ہونا چاہیے، اس کی حیثیت اور استعداد کے مطابق۔

۸۔ قربانی عیدالاضحیٰ

قربانی عیدالاضحیٰ سنتِ مؤکدہ ہے، بلکہ صاحب حیثیت کے لیے تو واجب کا درجہ رکھتی ہے۔ دراصل یہ قربانی جناب ابراہیم خلیلؑ اور جناب اسماعیلؑ کی قربانی کا اعادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق قربانی کی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کو فرمایا سورۃ الکوثر (۱۰۸) کی آیت (۲) میں کہ:

''صلوٰۃ ادا کرو اور قربانی کرو، اپنے رب کے لیے''۔

سنن ترمذی اور ابن ماجہ کے مطابق صحابہ کرامؓ نے عالیجناب رسول اللہؐ سے سوال کیا کہ ان قربانیوں کا کیا مقصد ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ''تمہارے باپ ابراہیمؑ کی سنت ہے''۔ پھر پوچھا اس سے ہمیں کیا ملے گا؟ تو آپؐ نے فرمایا: ''ہر بال کے بدلے ایک نیکی''۔

کہنے لگے اور اون کے بدلے بھی؟ فرمایا: ''بھیڑ کی اون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی ملے گی''۔ اسی ضمن میں قرآن الحکیم کی سورہ حج (۲۲) کی آیت (۳۷۔۳۶) میں فرمایا گیا

کہ: ''سوان میں سے خود بھی کھاؤ اور قناعت کرنے والوں اور مانگنے والوں کو بھی کھلاؤ، اسی طرح ہم نے انہیں تمہارے لیے مسخر کر دیا ہے، تاکہ تم شکر کرو۔ اللہ کو ان کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے، لیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں کو بتلا دیا کہ اللہ تعالیٰ کو ان قربانیوں کا کوئی فائدہ نہیں، اور نہ ہی اسے ان کی کچھ ضرورت ہے۔ بلکہ یہ تو صرف تمہارے فائدے کے لیے ہے، تاکہ تم اس کا فائدہ خود بھی اٹھاؤ اور غریب اور مساکین کو بھی اس فائدے میں شریک کرو۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لیے دیا ہے کہ وہ دیکھے کہ کون اس کا تابعدار ہے، اور اس کے حکم کی تعمیل خوش اسلوبی سے کرتا ہے۔

۹۔ صلوٰۃ التراویح

صحیح بخاری و مسلم کے مطابق جناب ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ، فرمایا جناب رسول کریمؐ نے کہ:

''جس نے قیام کیا رمضان (کے ماہ) میں اپنے مکمل ایمان اور احتساب کے ساتھ تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے'' (یہاں قیام سے مراد صلوٰۃ التراویح ہے یعنی، صلوٰۃ الیل)۔

اس حدیث مبارکہ اور ایسی ہی دیگر احادیث کی روشنی میں بتایا گیا ہے کہ جناب رسول کریمؐ نے ایک ماہ رمضان کے شروع میں متواتر تین روز مسجد میں آ کر قیام الیل کے نوافل ادا فرمائے، اپنے اصحابہ کے ساتھ۔ یعنی آپ نے جماعت کرائی۔ چنانچہ چوتھی رات بھی اصحابہ کرام اسی غرض سے مسجد تشریف لائے، لیکن اس مرتبہ جناب نبی کریمؐ تشریف تو لائے لیکن قیام الیل کی جماعت نہیں کرائی۔ بعدازاں جب اصحابہ کرام نے آپؐ سے اس کی وجہ دریافت کی تو آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ اگر میں اسی طرح قیام الیل جاری رکھتا تو کہیں یہ صلوٰۃ تم پر فرض نہ ہو جاتی۔

اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؐ نے تین رات کتنی کتنی رکعت ادا فرمائیں جماعت کے ساتھ۔ تو اس سلسلے میں جو روایات قلمبند ہوئیں، ان کے مطابق آپؐ نے گیارہ رکعت ادا فرمائیں مع وتر۔ صحیح بخاری کے مطابق ابوسلمہؓ نے سیدہ عائشہؓ سے دریافت کیا کہ: ''جناب رسول اللہؐ رمضان میں کس طرح صلوٰۃ ادا کرتے تھے (رات کے وقت) سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ ''آپؐ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے'' (ان میں تین

وتر بھی شامل ہیں)، بعد میں اس کو قیام رمضان کا نام دے دیا گیا اور آپؐ کے بعد یہ صلوٰۃ پورے رمضان ادا کی جانے لگی اور اس کی بیس رکعت کر دی گئیں اور اس کا نام صلوٰۃ التراویح رکھا گیا۔ اس طرح سے پورے ماہ رمضان کی شب پورے قرآن کی تلاوت کا اہتمام کیا گیا، تاکہ امت میں ہر سال قرآن دہرانے کا عمل جاری ہو جائے۔ یہاں یہ بات عرض کر دینا ضروری ہے کہ جناب نبی کریمؐ ہر ماہ رمضان کے آخری دس دن مسجد میں اعتکاف فرماتے، اور اس دوران جناب جبرائیلؑ آپ کے پاس تشریف لاتے اور آپؐ ان کے ساتھ قرآن دہراتے۔ اس سلسلے میں ایک خاص بات یہ ہے کہ جو رمضان آپؐ کی زندگی کا آخری رمضان تھا، اس میں جناب نبی کریمؐ نے بیس روز اعتکاف فرمایا اور اس دوران جناب جبرائیلؑ نے آپؐ کے ساتھ مل کر دو مرتبہ پورے قرآن کا دورہ فرمایا۔ اس وجہ سے یہ معلوم ہوتا ہے دورِ خلافت عمرؓ میں تراویح بیس کر دی گئیں، تاکہ پورے رمضان کے دوران قرآن کی تلاوت کو تراویح میں سن لیا جائے اور یہ رسم آج تک پوری دنیا میں قائم ہے۔ اس لیے رمضان المبارک کو قیام رمضان کے دوران پورے قرآن کی قرأت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

قیام رمضان کوئی علیحدہ صلوٰۃ نہیں ہے بلکہ یہ صلوٰۃ الیل یا صلوٰۃ التہجد ہی ہے جسے اجتماعی طور پر رات کے اول حصہ میں صلوٰۃ العشاء کے بعد شروع کر دیا جاتا ہے اور تقریباً آدھی رات تک اور کہیں اس سے زیادہ یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس طرح سے وہ لوگ بھی ماہِ رمضان کی برکات حاصل کر لیتے ہیں جو عام دنوں میں صلوٰۃ الیل کی صرف تین رکعت وتر صلوٰۃ العشاء کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔

کچھ لوگ صلوٰۃ الرمضان میں صرف گیارہ رکعت پڑھتے ہیں تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ آپ جتنی بھی طاق رکعتیں وتر بنانے کے لیے پڑھیں وہ باعث برکت ہیں۔ لیکن دورۂ قرآن حکیم کا مقصد جو جناب رسول اللہؐ کا باقاعدہ عمل تھا ماہِ رمضان میں، وہ پورا ہونا چاہیے، تاکہ کم از کم ہر سال قرآن پڑھ کر یا سُن کر اسے سمجھنے کی کوشش کی جائے اور پھر قرآن الحکیم کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کا اہتمام کیا جائے۔

باب ششم

صلوٰۃ الجنازہ

صلوٰۃ الجنازہ کے سلسلے میں عرض ہے کہ یہ ایک نہایت ضروری اور اہم عمل ہے، جبکہ (۹۹) ننانوے فیصد لوگ اس سے بے بہرہ ہیں۔ لوگ صلوٰۃ الجنازہ میں شرکت تو کرتے ہیں، لیکن زیادہ تر رسم نبھانے کے لیے اور اس بارے میں چنداں واقفیت نہیں رکھتے۔ یہ امت کے لیے نہایت افسوس ناک بات ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہو جاتا ہے تو نہ معلوم گھر کے افراد ہی اس سے خوفزدہ کیوں ہونے لگتے ہیں۔ اکثر میت کو اکیلا چھوڑ دیتے ہیں اور اگر کسی کے آنے کا انتظار ہو تو میت کسی سرد خانے بھیج دیتے ہیں۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ گھر کے افراد اپنے پیاروں کو پیار سے رخصت کرنا ہی نہیں جانتے۔ بلکہ وہ کسی مخصوص ادارے یا شخص کے انتظار میں ہوتے ہیں، جو میت کو غسل دے اور کفن پہنائے۔ تیسری اہم بات اس سلسلے کی یہ ہے کہ جب کوئی شخص مرض الموت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو گھر والے اسے اسپتال روانہ کر دیتے ہیں اور وہ شخص راستے میں ہی دم دے دیتا ہے۔

چنانچہ ان وجوہ کی بناء پر یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ مرض الموت سے لے کر میت کو سپرد خاک کرنے کے سلسلے کو قلمبند کر دیا جائے۔ تاکہ قارئین کو آگاہی ہو جائے اور وہ مریض اور میت کا حق احسن طریقے سے ادا کر سکیں۔

(i) بیماری اور مرض الموت

بیماری تو کئی قسم کی ہوتی ہے، اور آتی جاتی رہتی ہے۔ لیکن ایسی بیماری جس سے ظاہر ہو رہا ہوتا ہے کہ اب یہ بیماری موت کے آنے پر ہی تمام ہوگی تو ایسی بیماری کو مرض الموت کہتے ہیں۔ اہل عرب موت کے معاملے میں بہت بہادر تھے، اور آج بھی وہ موت کا اظہار نہ تو تعجب سے کرتے ہیں اور نہ ہی تعجب سے سنتے ہیں۔ اہل عرب کی خاص خصوصیت تھی اور آج بھی ہے کہ وہ اپنی اور دوسروں کی موت کے وقت کو بخوبی پہچان لیتے ہیں۔ گزشتہ بدوانہ دور میں تو وہ موت

کا اظہار برملا کردیا کرتے تھے۔

ایک واقعہ سے پتا چلتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک بوڑھا شخص قریب المرگ ہوگیا اور اس نے پہچان لیا کہ اب اس کا وقت آخر ہے، تو اس نے اپنی بیٹیوں کو بلوا بھیجا۔ جب وہ آئیں تو اس نے اپنی بیٹیوں سے کہا کہ اب اس کی موت کا وقت قریب آچکا ہے، لہٰذا وہ گریہ شروع کردیں۔ اسی طرح سے ایک اور واقعہ قابل بیان ہے کہ ایک بوڑھا شخص دشمن نے نرغے میں آگیا۔ دشمن نوجوان تھا، چنانچہ اس بوڑھے شخص نے اس سے کہا کہ ٹھہرو! معلوم نہیں کہ تمہیں ٹھیک سے قتل کرنا بھی آتا ہے کہ نہیں؟ اور پھر اسے بتایا کہ وہ اس کی گردن پر پشت سے وار کرے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اس کے علاوہ جب جناب سیدنا عمرؓ پر دشمن نے قاتلانہ حملہ کیا تو آپؓ کو دیکھنے طبیب آئے، اور انہوں نے معائنہ کرنے کے بعد سیدنا عمرؓ سے کہا کہ، اے امیر المومنین! اب آپ کے پاس زیادہ وقت نہیں رہا، چنانچہ آپ فوراً وصیت لکھوا دیں۔ چنانچہ سیدنا عمرؓ نے وصیت لکھوادی۔

اس تمہید کا مطلب صرف یہ باور کرانا مقصود تھا کہ جب مرض لاحق ہوجائے تو ممکنہ علاج کرایا جائے اور جب شفاء کی امید نہ رہے اور موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو مریض کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جائے، تلاوت قرآن کا اہتمام کیا جائے۔ اس کے سامنے آہستہ آہستہ کلمہ شہادت پڑھا جائے۔ اس طرح سے مریض بھی انشاءاللہ کلمہ دہرائے گا، اگر اونچی آواز سے نہیں تو دل میں دہرائے گا۔ جتنے احباب عیادت کے لیے آئیں وہ اچھے کلمات اور اچھی امیدوں کا ذکر کریں اور بار بار اللہ کا نام لیں اور مریض کے لیے دعائے خیر کریں اور کلمہ طیبہ کا ذکر کرتے رہیں۔

جناب نبی کریمؐ کا فرمانِ مبارک ہے کہ جب تم بیمار یا میت کے پاس جاؤ تو اچھی بات کہو، اس لیے کہ فرشتے اس بات پر آمین کہتے ہیں، جو تم کہتے ہو، (صحیح مسلم)۔ اس لیے جب کوئی بیمار کے پاس جائے تو اس کی صحت کے لیے دعا کرے اور جب میت کے پاس جائے تو اس کی مغفرت کے لیے دعا کرے۔ تاکہ اس کی دعا فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل جائے۔

اس کے علاوہ صحیح بخاری میں البراء بن عازب کی روایت نقل ہے کہ: ''اللہ کے رسول نے ہمیں حکم دیا کہ بیمار کی تیمارداری کی جائے اور جنازے کے ساتھ جایا جائے''۔

(ii) میت کے دفن کی تیاری

میت کی وفات کے بعد سب سے پہلا کام تو یہ ہونا چاہیے کہ کچھ لوگ جو بزرگ مرد ہوں یا بزرگ خواتین تو وہ میت کے ساتھ رہیں اور مسلسل اس کی مغفرت کے لیے دعائیں کرتے رہیں۔ جبکہ دوسرے افراد یہ معلوم کرلیں کہ میت کے ذمہ کوئی قرض تو نہیں، اگر ہو تو ہر ممکن فوری ادائیگی کا بندوبست کیا جائے۔ اس وقت اگر ناممکن ہو تو ادا کرنے کی ذمہ داری لے لی جائے۔ اس کے بعد میت کے قریبی عزیز اس کے غسل کا اور کفن کا بندوبست کریں۔ غسل کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میت کے جسم پر کسی قسم کی غلاظت باقی نہ رہے۔ البتہ اللہ کی راہ میں شہید ہونے والے کے لیے نہ غسل ہے اور نہ کفن۔ انہیں اسی لباس میں بغیر غسل کے دفن کیا جاتا ہے۔ مسند احمد کے مطابق جناب رسول اللہ کا فرمان ہے کہ بروز قیامت شہید کے جسم کے زخموں سے ویسے ہی خون رستا رہے گا اور اس سے کستوری کی خوشبو آئے گی۔

سنن ترمذی کے حوالے سے جناب رسول کریمؐ کا فرمان ہے کہ:

''سفید لباس پہنو اور اسی میں اپنے مُردوں کو کفن دو''۔

اس کے علاوہ وہ لوگ جو حج یا عمرہ کررہے ہوں اور احرام کی حالت میں ہی فوت ہوجائیں تو انہیں غسل تو دیا جائے گا لیکن کفن کی بجائے احرام میں ہی دفن کیا جائے گا۔ یعنی ایک چادر کا تہہ بند اور دوسری چادر اوڑھا دی جائے گی۔ لیکن نہ سر ڈھانکا جائے گا اور نہ خوشبو لگائی جائے گی۔ کیونکہ وہ احرام ہی کی حالت میں قیامت کے روز لبیک کہتے ہوئے اٹھیں گے۔ (بخاری)

(iii) میت پر نوحہ کے بجائے صبر

صحیح بخاری کے مطابق جناب ابو ہریرہؓ نے روایت کیا کہ فرمایا جناب نبی کریمؐ نے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے پاس جنت کے علاوہ کوئی انعام نہیں میرے اس بندے کے لیے، جس نے صبر کیا ہو، اور مجھ سے انعام کی توقع رکھتا ہو، جب کہ میں دنیا میں اس کے کسی پیارے کو لے جاؤں (یعنی وہ فوت ہوجائے)''۔

اس کے علاوہ ریاض الصالحین میں امام ترمذی کی ایک روایت نقل ہے کہ فرمایا ابوموسیٰ العشریؓ نے کہ عالیجناب رسول کریمؐ نے فرمایا کہ:

''جب کسی شخص کا بچہ فوت ہو جاتا ہے، تو اللہ اپنے فرشتوں سے پوچھتا ہے، کیا تم نے میرے بندے کے بچے کی روح قبض کر لی؟ اور وہ اس بات کا اثبات میں جواب دیتے ہیں۔ اس پر اللہ عزوجل فرماتے ہیں، کیا تم نے اس کے دل کا پھل لے لیا؟ پھر وہ اثبات میں جواب دیتے ہیں، اس پر وہ (اللہ) پوچھتا ہے کہ، میرے بندے نے کیا کہا تھا؟ وہ (فرشتے) جواب دیتے ہیں، کہ اس نے آپ کی حمد بیان کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ایک گھر بناؤ میرے بندے کے لیے جنت میں اور اس کا نام رکھو'' بیت الحمد''۔

اللہ تعالیٰ کو کسی بھی میت پر آہ و بکا کرنا پسند نہیں، کیونکہ اللہ ہی پیدا کرتا ہے اور وہی موت دیتا اپنے پروگرام کے مطابق۔ اس لیے اللہ کی مرضی کے خلاف آہ و بکا کرنا درست فعل نہیں ہے۔ یہ بات بھی درست ہے کہ جب کسی کا پیارا اس سے چھن جاتا ہے تو یقیناً اسے نہایت رنج وغم کا سامنا کرنا پڑتا ہے، لیکن اس پر اُسے صبر اختیار کرنا چاہیے کیونکہ ایسے مواقع اس کی آزمائش کا سبب بھی بنتے ہیں۔ ہاں شدت غم میں اگر اس کے آنسو نکلتے ہیں تو یہ اس کے بس میں نہیں اور نہ ہی وہ آنسو کسی شکوہ و شکایت کے باعث ہوتے ہیں۔ اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ عالیجناب رسول کریمؐ نے اس طرح کے مواقعوں پر آنسو بہائے۔ اس ضمن میں بخاری و مسلم سے جناب اسامہ بن زبیرؓ کی روایت نقل کی گئی ہے کہ:

''ایک دفعہ جناب رسول کریمؐ کا ایک نواسہ آپ کے سامنے لایا گیا، جبکہ وہ آخری سانس لے رہا تھا، انہیں دیکھ کر جناب رسول کریمؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے شروع ہو گئے۔ اس پر وہاں موجود سعدؓ نے عرض کیا: ''یہ کیا ہے یا رسول اللہ؟'' آپؐ نے فرمایا: یہ ترحم کے آنسو ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دیا ہے، اللہ تعالیٰ اپنا رحم عنایت فرماتا ہے اپنے رحم دل بندوں پر''۔

(iv) صلوٰۃ الجنازہ

ابوداؤد اور ابن ماجہ کے مطابق جناب ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ:

''میں نے سنا جناب رسول اللہؐ کو فرماتے ہوئے کہ: ''جب تم کسی میت پر صلوٰۃ پڑھو تو پورے خلوص کے ساتھ، اس کے لیے (بخشش کی) دعا کرو''۔

صلوٰۃ الجنازہ کا طریقہ جو جناب رسول کریمؐ کی سنت مبارکہ کے مطابق بتایا گیا ہے وہ یہ ہے:

☆ صلوٰۃ الجنازہ میں چار تکبیرات ہوتی ہیں۔

☆ پہلی تکبیر کے بعد تعوذ پڑھ کر سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔

☆ پھر دوسری تکبیر کے بعد جناب نبی کریمؐ کے لیے صلوٰۃ (درود ابراہیمی) پڑھی جاتی ہے۔

☆ پھر تیسری تکبیر کے بعد میت کے لیے اور کل مسلمانوں کے لیے بخشش کی دعا کی جاتی ہے۔

☆ پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام کہہ کر صلوٰۃ سے باہر آ جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ پوری کی پوری صلوٰۃ الجنازہ حالت قیام میں ہوتی ہے۔ نہ رکوع، نہ سجود، نہ جلسہ وغیرہ۔

ابوداؤد اور ترمذی کے حوالہ سے جناب ابوہریرہؓ سے روایت ہے، یہ روایت ابوقتادہؓ اور ابوابراہیم العشریؒ سے بھی ہے، کہ جناب نبی کریمؐ نے ایک صلوٰۃ الجنازہ پڑھائی اور اس میں درج ذیل (میت کے لیے) دعا کی۔ مشکوٰۃ شریف میں بھی یہ دعا منقول ہے:

بالغ مرد و عورت کی میت کے لئے دُعا

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَمَیِّتِنَا وَ

اے اللہ! بخش ہمارے زندہ اور مُردہ کو اور

شَاھِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِیْرِنَا وَ

ہمارے حاضر اور غائب کو اور ہمارے چھوٹے اور

کَبِیْرِنَا وَذَکَرِنَا وَاُنْثَانَا اَللّٰھُمَّ

بڑے کو اور ہمارے مرد اور عورت کو اے اللہ!

مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ

جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے تو اسے اسلام پر زندہ رکھ

وَمَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی

اور جس کو تو ہم میں سے وفات دے تو اُسے

الْاِیْمَانِ ط (مشکوٰۃ ص ۱۴۶)

ایمان پر وفات دینا۔

یہ تو دعا تھی مردوں اور عورتوں کے لیے۔ لیکن بچے چونکہ معصوم ہوتے ہیں، یعنی وہ بچے جو سن بلوغت تک پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو جائیں، اس لیے ان کے لیے بخشش کی دعا تو نہیں کی جاتی بلکہ ان معصومین کو اپنی بخشش اور مغفرت کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کی جاتی ہے کہ وہ اس بچے کو ان کے لیے یعنی ان کے ماں، باپ کے لیے سفارش کا ذریعہ بنا دیا جائے قیامت کے روز۔ لہٰذا بچوں کے لیے دعائیں درج ذیل تحریر کی جاتی ہیں:

نابالغ لڑکی کی میّت کے لیئے دُعا

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْھَا

اے اللہ! بنا اس کو ہمارے لیئے پیش رو اور بنا اس کو

لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْھَا لَنَا

ہمارے لیئے اجر اور ذخیرہ اور بنا اس کو ہمارے لیئے

شَافِعَۃً وَّمُشَفَّعَۃً ط

سفارش کرنے والی اور سفارش قبول کی گئی

نابالغ لڑکے کی میّت کے لیئے دُعا

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا وَّاجْعَلْہُ

اے اللہ! بنا اس کو ہمارے لیئے پیش رو اور بنا اس کو ہمارے

لَنَا اَجْرًا وَّذُخْرًا وَّاجْعَلْہُ لَنَا

لیئے اجر اور ذخیرہ اور بنا اس کو ہمارے لیئے سفارش

شَافِعًا وَّمُشَفَّعًا ط

کرنے والا اور سفارش قبول کیا گیا۔

صلوٰۃ الجنازہ کے بارے میں احادیث مبارکہ کی روشنی میں کچھ باتیں مزید واضح ہوتی ہیں، جن کو سمجھ لینا ضروری سمجھا گیا ہے۔

۱) جناب رسالت مآب نے صلوٰۃ الجنازہ خاموشی سے نہیں، بلکہ اونچی آواز سے پڑھی۔ یہی وجہ تھی کہ اصحابہ کرام نے آپؐ کی پڑھی ہوئی صلوٰۃ کو سُن کر آگے بیان کیا۔

۲) کچھ لوگ صلوٰۃ الجنازہ میں سورت الفاتحہ کی تلاوت نہیں کرتے، یہ صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ عالیجناب رسول کریمؐ نے صلوٰۃ الجنازہ میں سورۃ فاتحہ کی قرأت فرمائی تھی۔ اس ضمن میں دو احادیث مبارکہ درج ذیل کی جا رہی ہیں۔

☆ صحیح بخاری میں جناب طلحہ بن عبداللہ بن عوفؓ کی روایت کے مطابق انہوں نے کہا کہ: ''میں نے ابن عباسؓ کے پیچھے ایک صلوٰۃ الجنازہ پڑھی، اور انہوں نے سورۃ فاتحہ پڑھی اور کہا کہ ''تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ سورۃ فاتحہ کی تلاوت جناب رسول اللہؐ کی سنت ہے''۔

☆ صحیح بخاری کی ایک اور روایت کے مطابق جناب عبادہ بن صَامِت نے فرمایا کہ جناب رسول اللہؐ نے فرمایا کہ: ''جو کوئی بھی اپنی صلوٰۃ میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت نہیں کرتا، اس کی صلوٰۃ نہیں ہوتی''۔

چونکہ زیادہ تر لوگوں کو صلوٰۃ الجنازہ کی دعا یاد نہیں ہوتی اور وہ صلوٰۃ میں شریک بھی ہوتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے صلوٰۃ الجنازہ کو نہایت آسان طریقہ میں درج ذیل کیا جا رہا ہے، تاکہ وہ صلوٰۃ الجنازہ صحیح اور آسان طریقے سے ادا کر سکیں۔

۱) پہلی تکبیر کے بعد: صلوٰۃ الجنازہ کی نیت کے ساتھ ہاتھ باندھ لے (یا قیام کر لے) اور تعوذ کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔

۲) دوسری تکبیر کے بعد: درود ابراہیمی پڑھے۔

۳) تیسری تکبیر کے بعد: میت کے لیے کم از کم درج ذیل دعا کرے۔

اَللّٰھُمَّ مَغْفِرلَہُ وَرحمَہ فَاِنَّکَ اَنْتَ الغَفُورُ الرَّحِیم.

''اے اللہ! اسے (میت کو) مغفرت عطا فرما اور اس پر رحم فرما، بے شک آپ معاف فرمانے والے اور رحم کرنے والے ہیں''۔

(۴) پھر چوتھی تکبیر کے بعد سلام کہہ کر صلوٰۃ سے باہر آجائیں۔

نوٹ: میت اگر عورت کی ہو تو صیغہ بدل لیں یعنی، مَغفِرلَهَا وَرحمَهَا کہہ لیں۔ اس کے بعد کُل مسلمانوں کے لیے بھی دعائے مغفرت کریں۔

(v) میت کی تدفین میں جلدی

بخاری اور مسلم کی روایت کے مطابق جناب ابو ہریرہؓ کا کہنا ہے کہ:

میں نے سنا ہے جناب رسول کریمؐ سے یہ فرماتے ہوئے کہ: ''جلدی کرو میت کے (دفن) کے لیے۔ اگر وہ نیک ہے تو تم اسے اچھائی کی طرف لے جانے میں جلدی کرو۔ اور اگر وہ اس کے برخلاف ہے تو اس کے شر کو تم اپنی گردنوں پر رکھے رہو گے''۔

جناب رسول کریمؐ کے اس فرمان مبارک میں اور بھی بہت سی مصلحتیں ہیں۔ وہ یہ کہ میت کے گھر والے اور دیگر احباب زیادہ دیر تک کرب میں مبتلا نہ رہیں اور دوسرا یہ کہ میت کو موسم کی شدت سے بھی بچایا جا سکے، تاکہ وہ خراب نہ ہو جائے۔

(vi) میت کو دفن کرنے کے بعد دُعا

میت کو قبر میں اُتارنے کے بعد سب احباب ہاتھ بھر کے مٹی ڈالتے ہیں اور اس کے بعد ہاتھ جھاڑتے ہوئے ایک طرف ہو جاتے ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر تقریباً (۹۹) ننانوے فیصد لوگ اس فعل کو کوئی مذہبی رسم گردانتے ہیں، لیکن اس کا مطلب انہیں معلوم نہیں ہوتا۔ یہ ایک نہایت افسوسناک پہلو ہے۔ کم از کم انہیں یہ جاننا چاہیے کہ کیا اس طرح سے قبر پر مٹی ڈالنے کے اس فعل سے میت کو فائدہ ہوتا ہے یا اس کے لواحقین کو یا پھر خود ان کو؟ لہٰذا یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ احباب کو اس رسم کے متعلق کچھ گزارش کر دی جائے۔

دراصل یہ مٹی ڈالنے کی رسم اللہ تعالیٰ سے یہ اعادہ کرنا ہوتا ہے کہ اس نے انسانوں کو اس مٹی سے پیدا کیا، اسی میں وہ واپس لوٹا دے گا اور پھر اسی میں سے پھر اُسے واپس زندگی میں لوٹا دے گا۔ اب ان تین اعادوں میں سے پہلے دو تو انسانوں کے سامنے ظہور پذیر ہو چکے ہوتے ہیں، یعنی انسان کے سامنے لوگ پیدا بھی ہوتے ہیں اور فوت بھی ہوتے ہیں۔ لیکن تیسری بات کے اعادے پر ان کو ایمان لانا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے دوبارہ اٹھائے گا اور ہمارا

حساب کتاب لے گا۔ لہٰذا وہ تمام اشخاص خود اپنے آپ کو مطلع کر رہے ہوتے ہیں کہ وہ بھی فوت ہوں گے اور پھر وہ بھی روزِ قیامت اٹھائے جائیں گے اور پھر ان سے حساب لیا جائے گا، ان کے اعمال کا اور پھر وہ یا تو سزا پائیں گے یا جزا، اپنے اپنے اعمال کے مطابق۔ تو اس موقع پر انہیں اپنے آپ سے یہ سوال کرنا چاہیے کہ کیا وہ اس حساب کتاب کے لیے تیار ہیں؟ اگر نہیں تو انہیں چاہیے کہ اور انتظار نہ کریں اور فوراً رجوع کر لیں اور آخرت کی تیاری شروع کر دیں۔

اب آپ کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ قبر پر تین مرتبہ ہاتھ بھر مٹی پھینکنے پر درج ذیل اعادہ کیا جانا چاہیے؟

۱) پہلی دفعہ یہ کہنا چاہیے: ''اے اللہ! آپ نے ہمیں اس مٹی سے پیدا فرمایا''۔

۲) دوسری مرتبہ یہ کہنا چاہیے: ''اے اللہ! آپ ہمیں اس مٹی میں واپس لوٹائیں گے''۔ یعنی وفات دیں گے۔

۳) تیسری مرتبہ یہ کہنا ہوگا: ''اے اللہ! آپ ہمیں اس مٹی سے دوبارہ اٹھائیں گے (قیامت کے روز)

اس کے بعد قبر پر پوری مٹی ڈال دی جائے اور پھر کچھ دیر تک قبر پر موجود رہنا چاہیے اور اس وقت میت کی بخشش ومغفرت کے لیے دعائیں مانگنی چاہئیں، نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ۔

ابوداؤد کے مطابق ابوامرؓ (ابولیل) نے جناب عثمانؓ بن عفان سے روایت کیا ہے کہ:

''جناب رسول اکرمؐ کسی میت کو دفنانے کے بعد قبر پر کھڑے رہتے تھے اور فرماتے تھے کہ، اللہ سے گزارش کرو اپنے بھائی کی بخشش کے لیے، اور دعا کرو میت کی استقامت کے لیے، کیونکہ اس سے اس کے اعمال کے بارے میں سوال کیے جا رہے ہیں''۔

اس لیے احباب سے گزارش ہے کہ نہایت خلوص کے ساتھ اور محبت کے ساتھ میت کے لیے دعائیں کریں اور ساتھ ہی اپنے والدین عزیز واقارب اور تمام مسلمان مردوں عورتوں کی بخشش کے لیے بھی دعائیں کریں، خواہ وہ زندہ ہوں، خواہ فوت ہو چکے ہوں۔ کہ اللہ تعالیٰ سب پر اپنا فضل وکرم فرمائے اور انہیں بخشش اور مغفرت عطا فرمائے۔ (آمین)

(vii) میت کا قرض اور جائداد کی تقسیم

میت کے وارثوں کا فرض ہے کہ وہ کفن دفن کے فوراً بعد یہ معلوم کریں کہ میت کے ذمہ کیا کوئی قرض تھا۔ اگر ہو تو اسے فوراً ادا کرنے کا بندوبست کریں۔ ورنہ اس کی چھوڑی ہوئی ملکیت میں سے پہلی فرصت میں ادا کیا جائے۔ ترمذی کے مطابق جناب ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ فرمایا نبی کریمؐ نے کہ:

''متوفی کی روح مُعلّق رہتی ہے، اور اپنی جگہ نہیں پہنچتی جب تک کہ اس کے ذمہ کا قرض ادا نہ کر دیا جائے''۔

یہ تو اس قرضے کی بات ہوئی جو متوفی نے ادا کرنا تھا یا نہیں، لیکن اس قرضے کا کیا ہوگا جو متوفی نے دوسرے لوگوں سے وصول کرنا ہے۔ اور اس جائیداد کا کیا ہوگا جو متوفی کے کسی ایک یا زائد وارثوں کے قبضہ میں ہے۔ اور وہ مال جو کسی کے پاس امانت پڑا ہے اس کا کیا ہوگا۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ اس کے متعلق نہایت لاپرواہی اور بہت بے شرمی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، ان لوگوں کی طرف سے جو جائیداد پر قابض ہوتے ہیں اور جن کے پاس متوفی کی امانتیں ہوتی ہیں۔ بیٹیوں کو تو خیر وراثت کے معاملے سے ویسے ہی دور رکھا جاتا ہے اور جائیداد اور امانتوں کے قابض وارث متوفی کی وفات کے تیسرے روز ایک بڑا کھانا کھلا کر اپنے فرائض سے سبکدوش ہو جاتے ہیں اور ساتھ ہی یہ عندیہ بھی دیتے ہیں کہ متوفی ان سے بہت زیادہ محبت کرتے تھے اور انہوں نے ان کی بہت زیادہ خدمت کی تھی۔ اور وہ وراثت کی تقسیم کے موضوع پر نہ تو بات کرتے ہیں اور نہ ہی دوسرے ورثاء کو اس کا موقع دیتے ہیں۔ اور نتیجہ کے طور پر وہ ملکیت جہاں وہ رہتے ہیں اسے وہ اپنے قبضے میں کئی برس رکھے رہتے ہیں، یہاں تک کہ دوسرے ورثاء میں سے جب تک کوئی وارث دنگا فساد کرنے کے قابل نہیں ہو جاتا، اور اسی اثناء میں کئی قیمتی اشیا ویسے ہی خرد برد ہو جاتی ہیں۔

ایسے وارث جو جائیداد کی وراثت میں خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں اس بات کا قطعی احساس نہیں ہوتا کہ وہ اور ان کے گھر والے جو اس کے ساتھ خیانت کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں کس قدر گناہ کبیرہ کے مرتکب ہو رہے ہوتے ہیں۔ کاش انہیں اپنے اس فعل کے

دردناک انجام کا احساس ہو جائے!

صحیح بخاری اور مسلم میں اس ضمن میں سیدہ عائشہؓ سے ایک روایت مرقوم ہے کہ جناب نبی کریمؐ نے فرمایا ہے کہ: (اور یہ متفق علیہ ہے)

''جو کوئی بھی غیر قانونی طور پر کسی کی زمین پر قابض ہو جائے، چاہے وہ بالشت بھر ہی کیوں نہ ہو، تو اس کے بدلے اس زمین کی پیمائش کی نسبت سات گنا طوق ڈالا جائے گا اس کی گردن کے گرد، قیامت والے روز''۔

صحیح بخاری کی ایک اور حدیث جو روایت کی گئی ہے، جناب ابو ہریرہؓ سے کہ فرمایا نبی کریمؐ نے کہ:

''وہ جس کسی نے کوئی برائی کی ہو جس سے اس کا کوئی بھائی متاثر ہوا ہو اپنی عزت کے بارے میں یا کسی اور طرح سے، تو اُسے اس کا تدارک کر لینا چاہیے اور معافی کا طلب گار رہو جانا چاہیے فوری طور پر، اس سے پہلے (قیامت سے پہلے) کہ اس کے پاس نہ تو کوئی دینار رہے اور نہ کوئی درہم۔ اگر اس روز (قیامت کے دن) اس کے پاس کچھ اچھے اعمال ہوئے تو وہ اس کی غلطی کے برابر منہا کر لیے جائیں گے (جس کا وہ دین دار ہوگا اس کے لیے) اگر نہیں تو پھر متاثر کندہ کے گناہ بھی اس پر ڈال دیے جائیں گے''۔

ایک اور حدیث بخاری سے ہی روایت کی گئی ہے خَولَہ بنت ثامر سے کہ سُنا ہے اس نے رسول کریمؐ سے کہ: ''بہت سے لوگ خرد برد کرتے ہیں اللہ کی جائیداد (یعنی اپنے بھائی کی جائیداد) ایسے لوگ جہنم برد کیے جائیں گے، قیامت کے روز''۔

(viii) میت کی طرف سے صدقہ وخیرات

میت کی طرف سے صدقہ اور خیرات کرنا مستحب ہے۔

صحیح مسلم کے مطابق جناب ابو ہریرہؓ نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص نے کہا:

یارسول اللہ! میرا باپ فوت ہو گیا ہے، اور مال چھوڑ گیا ہے، کوئی وصیت بھی نہیں کی، اگر میں اس کی طرف سے خیرات کروں تو کیا یہ اس کی کوتاہیوں کا کفارہ بنے گا؟ آپؐ نے فرمایا ''ہاں''۔

اس کے علاوہ مسند احمد وسنن نسائی کے مطابق سعد بن عبادہؓ کی والدہ فوت ہو گئیں، تو سعد نے کہا: ''اے اللہ کے رسولؐ! میری ماں فوت ہو گئی ہے، کیا میں اس کی طرف سے خیرات کر سکتا

ہوں؟ آپؐ نے فرمایا: ''ہاں''۔ انہوں نے عرض کیا کہ کون سی خیرات بہتر رہے گی؟ آپؐ نے فرمایا: پانی پلانے کا انتظام''۔

بخاری اور مسلم کی ایک روایت کے مطابق سیدہ عائشہؓ نے فرمایا کہ:

''ایک شخص نے جناب رسول اللہؐ سے عرض کیا، کہ اس کی والدہ اچانک فوت ہوگئی ہیں، میرے خیال میں اگر انہیں بات کرنے کا موقع مل جاتا تو وہ صدقہ میں کچھ دیتیں۔ اس لیے اگر میں ان کی طرف سے صدقہ کروں، تو کیا انہیں اس کا صلہ ملے گا؟ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا: ہاں!''

صحیح مسلم سے روایت ہے کہ جناب ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ جناب رسول کریمؐ نے فرمایا کہ:

''جب کوئی شخص وفات پاجاتا ہے، تو اس کے اعمال سرزد ہونے کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ سوائے تین چیزوں کے، ایک تو صدقہ جاریہ جو اس نے کیا ہو۔ دوسرا وہ علم نافع جو اس نے چھوڑا ہو اور لوگ اس سے فائدہ حاصل کریں اور تیسرا اس کا نیک بیٹا، جو اس کے لیے دعا کرتا رہے''۔ (بیٹا سے مراد دراصل اولاد ہے)

اس حدیث مبارکہ سے بہت سے اشارے ملتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بندہ اپنی زندگی میں ایسے کام کر جائے، جس سے اللہ کے بندے اس کی وفات کے بعد بھی فائدہ حاصل کرتے رہیں۔ مثلاً کسی مدرسے، اسکول، یا کسی فلاحی ادارے کی بنیاد رکھے یا اس میں حسبِ توفیق حصہ ڈالے، جس سے عوام الناس فائدہ حاصل کرتے رہیں۔ جب تک وہ ادارہ رہے گا اس میں حصہ لینے والوں کو اس کا اجر وثواب اللہ کی طرف سے ملتا رہے گا، ان کی زندگی میں بھی اور ان کے فوت ہونے کے بعد بھی۔ دوسری بات یہ کہ بندہ لوگوں میں مع اپنے گھر والوں کے، بھلائی کا علم پھیلائے۔ اس کے کہنے پر یا اس کی لکھی ہوئی باتوں پر، جو جو شخص بھی عمل کرتا رہے گا ان نیکیوں کا اجر اس بھلائی پھیلانے والے کو بھی ملتا رہے گا۔ انشاءاللہ

اور تیسری بات یہ کہ ماں اور باپ اپنی اولاد کو نیک اعمال کی تربیت دیں، اور انہیں علم نافع سکھائیں یا تعلیم دلوائیں۔ کیونکہ اولاد کے نیک کاموں کا اجر اولاد کے علاوہ ان کے ماں باپ کو بھی انشاءاللہ ملتا رہے گا۔ اور آخری بات یہ کہ اولاد کی پرخلوص دعائیں بھی انشاءاللہ ماں باپ کی بخشش اور مغفرت کا ذریعہ بنیں گی۔

(ix) غائبانہ صلوٰۃ الجنازہ

برصغیر میں عام طور سے یہ دستور ہے کہ جو لوگ کسی وجہ سے صلوٰۃ جنازہ سے رہ جاتے ہیں یا وہ اس شہر یا قصبے میں موجود نہیں ہوتے یا وہ جو کسی بیرونی ملک میں مقیم ہوتے ہیں وہ جب واپس آتے ہیں تو پھر متوفی کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھتے ہیں۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ریلوے اسٹیشن یا ہوائی اڈے سے اطلاع آتی ہے کہ فلاں فلاں عزیز آرہے ہیں، لہٰذا میت کو کچھ دیر دفن کرنے سے روک لیا جائے۔ چنانچہ کچھ دیر کے لیے قبر کے ساتھ ہی میت رکھ دی جاتی ہے، ان کے انتظار میں۔ جب میت کے عزیز قبرستان پہنچ جاتے ہیں تو پھر ان کو میت کا چہرہ دکھا دیا جاتا ہے اور وہ لوگ کچھ آنسو بہا لیتے ہیں اور پھر میت کو دفنا دیا جاتا ہے۔

یہ ساری کہانی لکھنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ وہ عزیز واقارب جو صلوٰۃ جنازہ سے رہ جاتے ہیں وہ اگر تدفین سے پہلے پہنچ جاتے ہیں تو پھر دوبارہ صلوٰۃ الجنازہ کیوں نہیں کرایا جاتا؟ دوسری بات یہ کہ جو احباب تدفین کے بعد پہنچتے ہیں اور پھر قبر پر آتے ہیں، تو وہاں پھر سے صلوٰۃ جنازہ کیوں ادا نہیں کی جاتی؟ کیونکہ اس طرح کرنا جناب رسول کریمؐ کی سنت مبارکہ ہے کہ دفن کے بعد صلوٰۃ جنازہ ادا کی جائے، دوبارہ۔ اور اگر کوئی شخص کسی وجہ سے قبر پر پہنچ ہی نہیں سکتا تو وہ اپنے مقام پر ہی صلوٰۃ جنازہ غائبانہ ادا کر دے، یہ بھی سنت ہے جناب نبی کریمؐ کی۔

صحیح بخاری کے مطابق ایک خاتون جو مسجد نبوی میں صفائی کیا کرتی تھی، وہ چند روز تک جب نبی کریمؐ کو نظر نہ آئی تو آپؐ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ وہ خاتون کہاں ہے؟ اس پر لوگوں نے بتایا کہ وہ تو فوت ہو چکی ہے۔ جب آپؐ نے پوچھا کہ انہیں کیوں اطلاع نہیں دی گئی تو لوگوں نے بتایا کہ چونکہ رات کے وقت اسے دفنایا گیا تھا، چنانچہ آپؐ کو اس وجہ سے اطلاع نہیں دی کہ آپؐ کو تکلیف ہوگی۔ آپؐ نے فرمایا کہ انہیں اطلاع دینی چاہیے تھی اور پھر فرمایا کہ مجھے اس کی قبر پر لے چلو، جہاں پہنچ کر آپؐ نے تمام موجود اصحابہ کے ساتھ صلوٰۃ الجنازہ، اس عورت کی قبر پر ادا کی۔

اس کے علاوہ جب حبشہ کے بادشاہ جناب نجاشیؓ وفات پا گئے، اور جناب رسالت مآبؐ کو اطلاع ہوئی تو آپؐ نے اصحابہ سے فرمایا کہ تمہارا بھائی نجاشیؓ فوت ہو گیا ہے، لہٰذا اُٹھو! ان کے

لیے صلوٰۃ جنازہ پڑھیں۔

لہٰذا ان دونوں سنت مبارکہ کا خیال رکھنا چاہیے اور ان کے مطابق حتی الامکان کوشش کرنی چاہیے۔

(x) زیارت قبور

قبرستان جانا اور وہاں کے مکینوں کے لیے دعائے مغفرت کرنا مستحب ہے۔ اس طرح سے آخرت بھی یاد آتی ہے اور فوت شدگان کے لیے دعائے مغفرت بھی ہو جاتی ہے۔

صحیح مسلم کے مطابق جناب رسول کریمؐ کا فرمانِ مبارک ہے کہ:

''میں تمہیں زیارت قبور سے منع کیا کرتا تھا، سو اب تم زیارت قبور کر لیا کرو، اس لیے کہ یہ تمہیں آخرت کی یاد دلائے گی''۔

قبرستان جا کر یہ الفاظ ادا کرنے چاہئیں جو صحیح مسلم کے مطابق جناب رسول کریمؐ ادا کیا کرتے تھے (ترجمہ درج ہے)

''اے قبرستان کے مسلمانو اور مومنو! تم پر سلام ہو، بے شک ہم بھی تم سے ملنے والے ہیں، تم پہلے چلے گئے، ہم تمہارے بعد آئیں گے۔ ہم اللہ سے اپنے لیے اور تمہارے لیے عافیت طلب کرتے ہیں، اے اللہ! ان کو بخش دیجیے اور ان پر رحم فرمائیے''۔

عورتوں کا قبرستان جانا عام طور پر ناپسندیدہ کہا جاتا ہے، لیکن مستدرک حاکم اور سنن بیہقی کے مطابق ایک مرتبہ سیدہ عائشہؓ اپنے بھائی عبدالرحمانؓ کی قبر پر گئی تھیں، جب انؓ سے پوچھا گیا تو آپؓ نے فرمایا کہ:

''ہاں! پہلے قبروں کی زیارت ممنوع تھی، بعد ازاں اس کی اجازت دے دی گئی''۔

اس لیے خواتین قبرستان جا سکتی ہیں، لیکن وہاں آہ و بکا نہ کریں، خاموشی سے دعا کریں اور واپس آ جائیں۔

اَلف اَلف، شکر اَلحَمْدُ لِلّٰہِ رَبُ العالمین۔

u v